موسوم بہ

سُنّی عُلما کی حکایات

مؤلفہ

سلطان الواعظین مولینا ابو النور محمد بشیر صاحب مدظلہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

اس کتاب میں

اعلیحضرت فاضل بریلوی، امیر ملت محدث علی پوری، فقیہ اعظم محدث کوٹلوی، ابو النور محمد بشیر مؤلف واعظ، شیخ المحدثین مولینا سید دیدار علی شاہ، استاذ العلماء حضرت علامہ ابو البرکات، شیخ الحدیث حضرت مولینا سردار احمد، شیخ القرآن حضرت مولینا عبد الغفور، سید الواعظین مولینا محمد یوسف، مداحِ مصطفےٰ حضرت مولینا محمد یار بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہم کی ایمان افروز حکایات درج ہیں، ان کے بعد مدینہ منورہ سے متعلق وجد آور حکایات لکھی گئی ہیں اور آخر میں صاحبزادہ عطاء المصطفےٰ جمیل ایم اے کے عرصہ قیام برطانیہ کی حکایات درج ہیں

ناشر: فرید بُک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

فہرست حکایات

جامع حکایات ابوالنور محمد بشیر
مؤلفِ کتاب واعظ کی
حکایات

دیگر سُنّی علماء
کی
حکایات

اعلیٰ حضرت

مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ

کی

حکایات

حکایت نمبر ا

سلام کا جواب

اعلیٰ حضرت کی بچپن کی عمر تھی۔ اور کاشانۂ اقدس میں ایک مولوی صاحب بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت بھی ان سے کلام اللہ شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آکر سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ جیتے رہو۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا۔ یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیئے۔ مولوی صاحب سُن کر بہت خوش ہوئے۔ اور بہت دعائیں دیں۔ (حیات اعلحضرت)

سبق

اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے علم و فضل کے گہوارہ تھے۔ اور شریعت مطہرہ کے پابند۔ اس عمر میں بھی کوئی خلاف شرع امر دیکھ لیتے۔ تو تنبیہہ فرما دیتے تھے۔ اور یہ علامت تھی اس بات کی۔ کہ اس مقدس بچہ نے بڑا ہو کر مجدد ہونا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آپ نے عمر بھر تحفظ شریعت بالخصوص تحفظ ناموس رسالت کی خدمات سر انجام دیں۔ اور یہ انہی کا فیض ہے کہ باغیانِ رسالت ذلیل و خوار اور فدایانِ رسالت عشق مصطفےٰ میں سرشار ہیں۔

جو پایا عشق ہم نے مُصطفےٰ کا
یہ سارا فیض ہے احمد رضاؔ کا

حکایت نمبر ۲

اعلیٰحضرت اور ایک ندوی مولوی

ایک روز ایک ندوی مولوی صاحب اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ جناب! میں ایک ضروری بات کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ میری رائے یہ ہے کہ کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ اس لیئے کہ صائبؔ نے کہا ہے ؎

دہنِ خویش بدشنام میالا صائبؔ
کین زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

اعلیٰحضرت نے فرمایا۔ آپ نے بجا فرمایا۔ جہاں اختلافات فرعیہ ہوں۔ جیسے باہم حنفیہ و شافعیہ وغیرہما فرقِ اہلسنّت میں۔ وہاں ہرگز ایک دُوسرے کو بُرا کہنا جائز نہیں۔ اور فحش و دشنام جس سے دہن آلودہ ہو کسی کو بھی نہ چاہیئے۔

ندوی مولوی صاحب کہنے لگے۔ بات کچھ اختلافات فروعی کی نہیں زمانۂ رسالت میں دیکھئے منافق لوگ کیسے مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے۔ نماز ساتھ پڑھتے۔ مجالس میں پاس بیٹھتے شریک رہتے۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا۔ ہاں صدرِ اسلام میں ایسا تھا۔ مگر اللہ عزوجل نے صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ یہ گھال میل جو ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں یوں نہ رہنے دے گا۔ ضرور خبیثوں کو طیبوں سے الگ کر دے گا۔ چنانچہ فرمایا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ
حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط

اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کیا ہوا۔ بھری مسجد میں خاص جمعہ کے دن علیٰ رؤس الاشہاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے نام بنام ایک ایک کو فرمایا اُخْرُجْ یَا فُلَانُ

فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ ۔ اے فلاں نکل جا تو منافق ہے" نماز سے پہلے سب کو نکال دیا یہ حدیث طبرانی و ابن ابی حاتم میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے مخالفین دین کے ساتھ یہ برتاؤ ان کا ہے ۔ جنہیں رب العزت عزجلالہ رحمۃ للعالمین فرماتا ہے ۔ جن کی رحمت رحمت الٰہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ندوی مولوی صاحب بولے ۔ دیکھئے فرعون کے پاس جب موسیٰ (علیٰ نبینا و علیہ السلام) کو بھیجا ۔ تو اللہ نے فرمایا قُولَا لَہٗ قَولًا لَّيِّنًا اس سے نرم بات کہنا ۔

اعلیٰحضرت نے فرمایا ۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا يَا اَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ "اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت کر سختی کر" ۔ یہ انہیں حکم دیتا ہے ۔ جن کی نسبت فرماتا ہے ۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تو بڑے اخلاق پر ہے ۔ تو معلوم ہوا ۔ کہ مخالفان دین پر شدت و غلظت منافی اخلاق نہیں ۔ بلکہ یہی خلق حسن ہے ۔

مولوی ندوی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا اسلئے تو کہتے ہیں کہ تمہیں اختیار ہے برا کہو برا سلو ۔ (ملفوظات حصہ اول)

سبق

فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو ہرگز برا نہیں کہنا چاہیئے ۔ مگر جہاں بنیادی اختلاف ہو ۔ وہاں میل ملاپ بھی جائز نہیں ہے ۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے ایسے ظالموں کے پاس بیٹھنے سے بھی روک دیا ہے ۔ اور فرمایا ہے وَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ یاد آنے پر ظالموں کے پاس بھی نہ بیٹھو ۔ اور فرمایا وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوے گی ۔ معلوم ہوا ۔ کہ اسلام کی منشا یہ ہے ۔

کہ وہ کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دکھائے۔ اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ خالص چیزیں ملاوٹ کی جائے۔

اے سجدہ فروش کوئے بتاں ہر سر کے لیے اک چوکھٹ ہے
یہ بھی کوئی شانِ عشق ہوئی جس در پہ گئے سر پھوڑ لیا!

حکایت نمبر ۳
مسکت جواب

اعلیٰ حضرت ایک طبیب کے ہاں تشریف لے گئے۔ طبیب صاحب کے استاد ایک نواب صاحب جو علم عربی سے واقف اور علوم جدیدہ کے گرویدہ تھے۔ ان کو مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے۔ کہ ہر چیز دوسری کو جذب کرتی ہے۔ وزنی چیزیں جو زمین پر گرتی ہیں۔ اپنے میل طبعی سے نہیں بلکہ زمین کی کشش سے نیچے آتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ تو پھر بھاری چیز کو تو اوپر سے نیچے دیر میں آنا چاہیئے۔ اور ہلکی کو جلد۔ کہ آسان کھچے گی۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ نواب صاحب بولے مگر جنسیت موجب قوت جذب ہے بھاری چیز میں اجزائے مٹی زیادہ ہیں۔ اس لیے زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ جب ہر شے جاذب ہے۔ اور اپنی جنس کو بنہایت قوت سے کھینچتی ہے۔ تو جمعہ و عیدین میں امام ایک ہوتا ہے۔ اور مقتدی ہزاروں تو چاہیئے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔ نواب صاحب بولے۔ مگر امام میں روح ہے۔ جو مانع اثر جذب ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ایک جنازہ پر دس ہزار آدمی ہوتے ہیں اور میت میں روح نہیں۔ تو لازم ہے۔ کہ مردہ اڑ کر نمازیوں سے

لپٹ جائے۔ تو نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

سبق

اعلیٰ حضرت کو خدا تعالیٰ نے ایسا کمال عطا فرمایا تھا۔ کہ علوم جدیدہ کے علمبرداروں کو بھی آپ کے سامنے مجال دم زدن نہ تھی۔ اور بڑے سے بڑا معاند بھی آپ کے مسکت جوابات سے لاجواب ہو جایا کرتا تھا۔

ہر جواب ان کا ہے دیکھو لاجواب
اعلیٰ حضرت آپ ہیں اپنا جواب

حکایت نمبر ۴

زائچہ

ایک روز مولوی محمد حسین صاحب موجد طلسمی پریس کے والد ماجد جو علم نجوم میں کامل اور اس فن کے ماہر تھے۔ اعلیٰ حضرت کے پاس آئے۔ تو حضرت نے ان سے دریافت فرمایا۔ فرمایئے بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہوگی؟ انہوں نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا۔ اور فرمایا۔ کہ اس مہینے پانی نہیں ہے۔ آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھایا۔ اعلیٰ حضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ اللہ کو سب قدرت ہے۔ چاہے تو آج بارش ہو۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ ستاروں کی وضع کو نہیں دیکھتے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سب دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کے وضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس مشکل مسئلہ کو یوں سمجھایا۔ سامنے کلاک لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا وقت کیا ہے؟

بولے سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے۔ بولے پون گھنٹہ۔ حضرت نے فرمایا۔ اس سے قبل ؟ کہا نہیں ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت اُٹھے اور بڑی سوئی کو گھما دیا۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ آپ نے تو فرمایا تھا۔ کہ ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں ہے۔ بولے کہ آپ نے اس کی سوئی کھسکائی ہے۔ ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اسی طرح رب العزت جل جلالہٗ قادر مطلق ہے۔ کہ جس ستارے کو جس وقت چاہے جہاں چاہے پونچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ ایک ہفتہ ایک دن کیا ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا آگئی۔ اور پانی برسنے لگا۔ (حیات اعلیٰحضرت)

سبق

سائنس و فلسفہ اور نجوم وغیرہ کے دینوی علوم کے ماہرین کی نظریں اسباب پر رہتی ہیں۔ اور مسلمان کی نظر مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی خدا تعالیٰ پر رہتی ہے۔ خدا تعالیٰ ان اسباب کی حرکات کا پابند نہیں۔ بلکہ یہ اسباب خدا تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے پابند ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ستاروں کی وضع کو دیکھا۔ مگر ان کی نظر ستاروں کی وضع تک ہی نہ رک گئی۔ بلکہ ان کی بلند نظر ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت پر بھی پڑی اور جب خدا تعالیٰ کی قدرت مطلقہ پر کامل یقین کے ساتھ بارش ہونے کو کہا۔ تو ستاروں کی وضع دھری کی دھری رہ گئی۔ اور بارش ہونے لگی۔

فلسفی رکھتا ہے ان اسباب پر اپنی نظر
اور مومن کی نظر ہے خالقِ اسباب پر

حکایت نمبر ۵

امام باڑہ

ایک صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے۔ چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو۔ تو دروازہ پر کتبہ کر دیں۔ اعلیٰ حضرت نے فی البدیہہ فرمایا۔ ان سے کہیئے بدر رفض رکھیں۔ (۱۲۸۹ھ) اس جواب کو سن کر بولے کہ امام باڑہ گذشتہ ہی سال تیار ہو چکا ہے مقصد یہ تھا۔ کہ اعلیٰ حضرت دوسرا لفظ فرمائیں گے۔ جس میں لفظ رفض نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً ہی فرمایا۔ تو دارِ رفض رکھیں۔ (۱۲۸۵ھ) یہ سن کر وہ بہت چپ ہوئے۔ اور پھر عرض کیا۔ کہ اس کی ابتدا ۱۲۸۴ھ ہی میں کی تھی۔ اس لیے اسی سن کا نام ہونا مناسب ہے۔ ارشاد فرمایا۔ تو درِ رفض رکھیں۔ (۱۲۸۴ھ)

(حیات اعلیٰحضرت)

سبق

اعلیٰ حضرت کو تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرما دیتے تھے امام باڑہ کے دروازہ کے کتبہ کے لیے جو تاریخی نام آپ نے فی البدیہہ فرمایا۔ اور پھر اس سے پچھلے سال کے لیے اور پھر اس سے بھی پچھلے سال کے لیے معمولی سے تغیّر کے ساتھ دوسرے جو دو نام بیان فرمائے۔ اور ایسے کہ پہلے نام میں جو حقیقت بیان فرمائی تھی دوسرے دو ناموں میں بھی وہ حقیقت سو فیصد موجود رہی۔ آپ کے اس کمال پر شاہد ہے ؎

دیکھیئے تاریخ گوئی کی مثال\
اعلیٰحضرت کا ہے یہ بھی اک کمال

حکایت نمبر ۶

ایک فتوے کا جواب

مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی سے سوال ہوا۔ کہ جس مکان میں جانور ہو۔ کوئی آدمی نہ ہو۔ وہاں جماع جائز ہے یا نہیں؟۔ مولوی صاحب نے اس کا جواب لکھا۔ ناجائز ہے۔

اعلیٰحضرت نے مولوی صاحب کے اس فتوے کا جواب لکھا۔ کہ

اس جواب سے لازم آیا۔ کہ مکان سے تمام مکھیوں کو نکالے۔ اور چارپائیاں کھٹملوں سے صاف کرے۔ اور یہ تکلیف مالایطاق ہے۔ حالانکہ فقہا تصریح فرماتے ہیں۔ جو بچہ سمجھنا اور دوسروں کے سامنے بیان کر سکتا ہو۔ اس کے سامنے جماع مکروہ ہے۔ ورنہ حرج نہیں۔ توجب ناسمجھ بچے کے سامنے جائز ہے حالانکہ آدمی ہے۔ جانور کے سامنے کیوں ممانعت؟

(ملفوظات حصہ اول)

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ خدا جس سے بھلائی فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔" اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اعلیٰحضرت کو دین کی سمجھ عطا فرمائی تھی۔ اور اسی عطا کی بدولت آپ کا ذہن ان حقائق تک جا پہنچتا تھا۔ جہاں آپ کے ہمعصر علماء کے ذہن نہ پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالحئی صاحب کے فتوے کے جواب میں اعلیٰحضرت کے ذہن کی رسائی اس امر پہ شاہد ہے ؎

اعلیٰحضرت فقہ دین میں بھی امام عصر تھے
اس حقیقت پر ہیں شاہد ان کے فتوے دیکھیے!

حکایت نمبر ۷
ہاتھ دُھلانے کا مسئلہ

پیلی بھیت میں ایک دعوت میں اعلیٰ حضرت اور حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدّث سورتی تشریف فرما تھے۔ دستر خوان بچھانے سے بیشتر میزبان نے آفتابہ و طشت لیا۔ کہ ہاتھ دھلایا جائے۔ حضرت محدّث صاحب نے عام عرفی دستور کے مطابق میزبان کو اشارہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پہلے دُھلائے جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا۔ کہ آپ محدّث ہیں اور اعلم بالسُّنّتہ ہیں۔ آپ کا یہ فیصلہ بالکل حق اور آپ کی شان کے لائق ہے۔ کیونکہ سُنّت یہ ہے۔ کہ اگر ایک مجمع مہمانوں کا ہو۔ تو سب سے پہلے چھوٹے کا ہاتھ دُھلایا جائے۔ اور آخر میں بڑے کا ہاتھ دُھلایا جائے۔ تاکہ بزرگ کو ہاتھ دُھلانے کے بعد دوسروں کے ہاتھ دھونے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اور کھانا ختم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے بڑے کا ہاتھ دُھلایا جائے۔ میں شروع میں ابتدا کرتا ہوں۔ لیکن کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتدا کرنا ہوگی۔ اعلیٰ حضرت کے اس ارشاد پر حضرت محدّث صاحب نے ہاتھ بڑھا کر طشت کو اپنی طرف کھینچا۔ کہ سب سے پہلے میرے ہاتھ دھلائے جائیں اعلیٰ حضرت مسکرا کر فرمانے لگے۔ اپنے فیصلہ کے خلاف عملدرآمد آپ کی شان کے خلاف ہے۔ الغرض یہ دلچسپ اور علمی گفتگو بڑی خوشگوار اور سامعین کے لیے مفید رہی۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

سبق

معلوم ہُوا۔ کہ کھانے سے پہلے مہمانوں میں جو بزرگ ہو اس کے ہاتھ بعد میں

دُھلائے جائیں ۔ اور کھا چکنے کے بعد پہلے ۔ آج کل جو عام دستور ہے ۔ کہ کھانے سے پہلے بزرگ کے ہاتھ پہلے دُھلائے جاتے ہیں ۔ اس میں ادب نہیں ۔ کیونکہ بزرگ کو پھر دوسروں کے ہاتھ دھو لینے کا انتظار کرنا پڑتا ہے ۔ ادب اس میں ہے کہ بزرگ کے ہاتھ آخر میں دُھلائے جائیں ۔ اور پھر فوراً کھانا کھلانا شروع کر دیا جائے ۔

سبق ہے اعلیٰ حضرتؒ کا یہی تو
بزرگوں کا ادب پیشِ نظر ہو !

حکایت نمبر ۸

اُمید قوی

اعلیٰ حضرت جب دوسری مرتبہ حج پر گئے ۔ تو وہاں طبیعت خراب ہو گئی ۔ محرم کے آخری دنوں میں طبیعت ٹھیک ہوئی ۔ تو آپ نے حمام میں غسل فرمایا ۔ باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں ۔ کہ گھٹا چھا گئی ہے ۔ حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی ۔ معاً آپ کو ایک حدیث یاد آ گئی ۔ کہ "جو بارش میں طواف کرے ۔ وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے ۔" آپ نے اسی وقت حجرِ اسود کو بوسہ دیا ۔ اور طواف شروع کر دیا ۔ اور بخار سردی کی وجہ سے پھر لوٹ آیا ۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب نے بخار دیکھ کر فرمایا ۔ کہ ایک ضعیف حدیث کے لیے آپ نے اپنی جان کو تکلیف دی ہے ۔ اعلیٰ حضرت نے جو جواب دیا ۔ وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔ آپ نے فرمایا

" حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے امید تو قوی ہے ۔"

(ملفوظات حصہ دوم)

سبق

جن کے ایمان مضبوط اور قوی ہوتے ہیں۔ وہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے اور رحمتِ حق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور جن کے ایمان کمزور و ضعیف ہوتے ہیں۔ انہیں صحیح حدیث میں بھی ضعف نظر آتا ہے اور وہ حضور کے فضائل کا انکار کر کے رحمتِ حق سے محروم رہ جاتے ہیں ؎

ایک کا اچھا ہے اور اک کا برا مقسوم ہے
ایک رحمت پا گیا ہے اور اک محروم ہے

حکایت نمبر ۹

یقین کامل

ایک بار بریلی شہر میں مرض طاعون شدّت کے ساتھ پھیلا۔ انہی دنوں اعلیٰ حضرت کو شدت سے بخار ہوا۔ اور کان کے پیچھے گلٹیاں نکل آئیں۔ اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی ایک طبیب کو لائے۔ طبیب نے یہ کیفیت دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا۔ یہ وہی ہے وہی ہے وہی ہے۔ یعنی طاعون۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ بات غلط ہے۔ نہ مجھے طاعون ہے نہ انشاء اللہ کبھی ہوگا۔ اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دُعا پڑھ لی ہے۔ جسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھ لے گا۔ اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دُعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔

جن جن امراض کے مریضوں جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا بحمدہ تعالیٰ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں - اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین کامل کی بدولت اس مرض سے محفوظ رہے اور شفایاب ہو گئے۔ (ملفوظات حصّہ اول)

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد حق ہے - اور نا ممکن ہے جو حضور فرما دیں وہ نہ ہو - مسلمان کو حضور کے ہر ارشاد پر یقین کامل رکھنا چاہیئے - تاکہ وہ حضور کے فیوض و برکات سے مستفید ہو - یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبّت و پیار اور آپ کے ہر ارشاد پر یقین کامل تھا - اسی پیار و یقین کی بدولت آپ نے بہت بلند مقام پایا ؎

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حکایت نمبر ۱

پریشان سیّد

ایک سیّد صاحب اعلیٰ حضرت کے پاس اکثر آیا کرتے اور اپنی غربت و افلاس کے شاکی رہتے - ایک مرتبہ وہ بہت پریشان ہو کر اعلیٰ حضرت کے پاس آئے تو اعلیٰحضرت نے ان سے دریافت کیا کہ سیّد صاحب ! ایک مسئلہ بتائیں - جس عورت کو باپ نے طلاق دے دی ہو - کیا وہ بیٹے کو حلال ہو سکتی ہے ؟ سیّد صاحب نے جواب دیا - نہیں - اعلیٰ حضرت نے فرمایا - حضرت امیرالمومنین مولیٰ علی

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جن کی آپ دلا دہیں۔ تنہائی میں اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا۔ اے دنیا! کسی اور کو دھوکا دے میں نے تجھے وہ طلاق دی جس میں کبھی رجعت نہیں۔" پھر سادات کرام کا افلاس کیا تعجب کی بات ہے۔
سید صاحب نے یہ سُن کر فرمایا۔ واللہ میری تسکین ہوگئی۔ پھر وہ کبھی شاکی نہ ہوئے۔ (ملفوظات حصّہ اوّل)

سبق

اعلیٰحضرت پر ہزار رحمتیں نازل ہوں۔ کس پیارے انداز میں سیّد صاحب کی پریشانی دور فرمادی۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ہی دنیا سے کنارہ فرمالیا۔ گویا ان نفوس قدسیہ کا فقر فقرِ اختیاری تھا۔ اور وہ اپنے فقر و افلاس پر خوش تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالکِ کونین ہونے کے باوجود فقر کو اختیار فرمایا ؎

فقر اللہ رے تمہارا کہ شہِ کل ہو کر
زندگی اپنی غریبوں میں گذاری ساری

حکایت نمبر ۱۱

گالی نامہ

اعلیٰحضرت کے نام ایک خط گالیوں سے بھرا ہُوا کسی صاحب کا آیا۔ اعلیٰ حضرت کے ایک مریدنے وہ خط پڑھ لیا۔ اور وہ بڑے غصّہ میں آگئے۔ اور اعلیٰحضرت سے کہنے لگے۔ کسی بدتمیز نے نہایت ہی کمینہ پن کا ثبوت دیا ہے۔ خط میں گالیاں لکھ

کر بھیجی ہیں۔ میری رائے ہے ۔ کہ ان پر مقدمہ کیا جائے ۔ ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوائی جائے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت و نصیحت ہو۔ ورنہ دوسروں کو بھی ایسی جرأت ہو گی ۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ تشریف رکھیے ۔ اندر تشریف لے گئے ۔ اور دس پندرہ خطوط ہاتھ میں لیے ہوئے تشریف لائے ۔ اور فرمایا ۔ ان کو پڑھیے۔ حاضرین متحیر تھے ۔ کہ کس قسم کے خطوط ہیں۔ خیال ہوا۔ کہ شاید اسی قسم کے خطوط ہوں گے ۔ جن میں گالیاں لکھی ہوں گی۔ جن کے پڑھوانے سے یہ مقصود ہو گا۔ کہ اس قسم کے خط آج کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ زمانہ سے آرہے ہیں۔ میں اس کا عادی ہوں لیکن خط پڑھتے جاتے تھے ۔ اور ان کا چہرہ خوشی سے دمکتا جاتا تھا۔ آخر جب سب خط پڑھ چکے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ پہلے ان تعریف کرنے والوں بلکہ تعریف کے پل باندھنے والوں کو انعام و اکرام جاگیر و عطیات سے مالا مال کر دیجئے۔ پھر گالی دینے والے کو سزا دلوانے کی فکر کیجئے گا ۔ انہوں نے کہا حضور اجی تو یہی چاہتا ہے۔ کہ ان سب کو اتنا انعام و اکرام دیا جائے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشتہا پشت کو کافی ہو۔ مگر میری وسعت سے باہر ہے ۔ فرمایا جب مخلص کو نفع نہیں پہنچا سکتے۔ تو مخالف کو نقصان بھی نہ پہنچائیے۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

سبق

علماءِ حق کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ کئی عاقبت نا اندیش ان کے خلاف ہو جاتے ہیں ۔ اور ان کی شان میں گالیاں تک بکنے لگتے ہیں۔ حق بیان کرنے والا باطل پسندوں کی نظروں میں لازماً کھٹکے گا ۔ اور وہ اس کے مخالف ضرور ہو جائیں گے یہ حقیقت ہے ۔ کہ جس عالم کا کوئی مخالف نہیں جسے سب اچھا کہیں۔ وہ حق گو ہی نہیں ۔ چونکہ وہ ہر بُرے بھلے کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے ۔ اس لیے اسے سب اچھا کہتے ہیں ۔ اعلیٰ حضرت نے حق کو کچھ اس انداز میں واضح فرمایا۔ کہ اہل باطل کے جملہ

مکروفریب اور ان کی نقشہ بازیوں کے پول کھل گئے۔ اور مسلمانوں کو پتہ چل گیا۔ کہ یہ لوگ کون ہیں۔ کیا ہیں۔ اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟ تو انہوں نے بوکھلا کر اعلیٰحضرت کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ جہاں علماءِ حق کے مخالف ہو کر اہلِ باطل ان کو گالیاں بکنے لگتے ہیں۔ وہاں پرستارانِ حق ان کے گرویدہ و جانثار بن کر ان کے گیت بھی گاتے ان کی مدح وثنا کرتے اور ان کے لیے دلی دعائیں بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰحضرت کے کچھ لوگ بدخواہ و مخالف تھے یا ہیں۔ تو عرب وعجم کے مسلمانوں کی اکثریت ان کی مدّاح و گرویدہ۔ جانثار و شکر گزار بھی ہے۔

یہاں میں اپنا بھی ایک واقعہ سُنا دوں۔ میں نے جب ماہنامہ ماہِ طیبہ جاری کیا۔ اور مسلکِ اہلِ سُنّت کی تائید اور گستاخانِ رسالت کی تردید میں قلم چلانا شروع کیا۔ تو مجھے بھی گالیوں بھرے خطوط آنے لگے۔ ایک خط تو کچھ ایسا غلیظ تھا۔ کہ اس کی گالیوں کی تاب نہ لا کر میں استاذی المعظم شیخ الحدیث حضرت علامہ سید ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وہ خط لے کر لاہور پہنچا۔ اور وہ خط دکھا کر حضرت سے عرض کیا۔ کہ حضور! دیکھئے مجھے اس قسم کے خط آنے لگے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت نے برجستہ فرمایا۔ کہ وہ جو تمہاری مدح وثنا اور تعریف میں لکھے ہوئے اور تمہارے لیے دعاؤں سے بھرے ہوئے خطوط تمہیں آتے ہیں۔ وہ بھی تو ساتھ لاتے ہوتے۔ حضرت نے درست فرمایا تھا۔ واقعی ماہِ طیبہ کے ایمان افروز مضامین پڑھ کر کئی حضرات نے اپنے خطوط میں میری بھی تعریفوں کے پل باندھ دیئے تھے۔ اور میرے لیے دلی دعائیں کی تھیں۔ حضرت نے فرمایا۔ جب کوئی گالیوں سے بھرا خط آئے۔ تو اپنی تعریف میں آئے ہوئے خط پڑھ لیا کرو۔ تاکہ رنج وشکوہ پیدا نہ ہو۔ اور جب کوئی تعریف کا خط آئے۔ تو گالی نامہ پڑھ لیا کرو۔ تاکہ فخر پیدا نہ ہو۔ الغرض ؎

راہبر و راہِ محبت کا خدا حافظ
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

امیرِ ملّت

حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری

رحمۃ اللہ علیہ

کی

حکایات
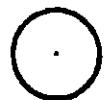
حکایت نمبر ۱۲

سیّد جماعت علی

فیصل آباد کے متصل ایک چک ہے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ وہاں ایک صاحب حیثیت زمیندار تھے۔ جو حضرت امیر ملت کے مرید تھے۔ حضرت امیر ملت ہر سال وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا۔ جس میں علماءِ اہلسنّت کے بیانات ہوتے۔ ایک سال میں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹی دونوں وہاں پونچے۔ حضرت امیر ملت تشریف لا چکے تھے۔ کھانے کا وقت ہوا۔ تو وسیع دسترخوان پر حاضرین کھانے کو بیٹھے۔ حضرت امیر ملت کے ہاتھ دُھلانے کو طشت رکھا گیا۔ اور صاحب خانہ چوہدری صاحب نے خود پانی بھرا لوٹا لے کر حضرت کے ہاتھ دُھلانا چاہے۔ جس وقت وہ حضرت کے قریب پونچے۔ اور حضرت نے آنکھ اُٹھا کر چوہدری صاحب کو دیکھا۔ تو جلال میں آگئے۔ اور چوہدری صاحب کو ایک زوردار چانٹا مار دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا

"جماعت علی سیّد ہے جلاہا نہیں"

تم میرے ہاتھ میں ہاتھ بھی دو۔ اور دیوبندی مولوی کا درس بھی سنو"۔

بات یہ ہوئی۔ کہ فیصل آباد میں ایک دیوبندی مولوی کے درس میں چوہدری صاحب جانے لگے تھے۔ اور یہ بات کسی نے حضرت امیر ملت تک پونچا دی تھی حضرت کو اسی بات کا رنج تھا۔ جو انہوں نے چانٹا مار کر ظاہر فرما دیا۔

چوہدری صاحب چانٹا کھا کر دم بخود کھڑے تھے۔ کچھ بول نہ سکے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے ان کی دل جوئی کو مزاحیہ انداز میں فرمایا۔ چوہدری صاحب!

مبارک ہو۔ جیسے پیر کا چانٹا پڑ جائے۔ وہ جنت میں پونچا سمجھیئے۔ میں نے دیکھا۔ چوہدری صاحب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور یہ اشک ندامت تھے۔ اب مولانا محمد یوسف صاحب حضرت امیر ملت سے سفارش کرنے لگے۔ کہ حضرت! چوہدری صاحب سے لغزش ہوگئی ہے۔ انہیں معافی دی جائے۔ اور ساتھ ہی چوہدری صاحب کو اشارہ کیا۔ کہ معافی مانگئے۔ چوہدری صاحب نے روتے ہوئے حضرت کے قدم پکڑ لیے۔ بخدا وہ منظر اب تک یاد ہے۔ چوہدری صاحب بادیدۂ نم قدموں میں ہیں۔ اور حضرت امیر ملت کے نورانی چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اور اسی ہاتھ سے جس سے چانٹا مارا تھا۔ انہیں پیار سے تھپکنے لگے۔ اور تاکید فرمانے لگے۔ کہ آئندہ کبھی کسی بدعقیدہ کے درس میں شرکت نہ کرنا۔ چوہدری صاحب نے وعدہ کیا۔ اور آپ نے اجازت دی۔ کہ لو اب میرے ہاتھ دھلاؤ اور کھانا کھلاؤ۔

سبق

کسی بدعقیدہ کے منہ سے قرآن بھی سننا خطرہ سے خالی نہیں۔ ایسے لوگ قرآن کے غلط ترجمے اور غلط تفسیریں کر کے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ مٹی کے تیل کے پیپے سے نکلا ہوا خالص دودھ بھی پینے کے قابل نہیں رہتا۔ اس دودھ میں بھی بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ خالص دودھ کے لیے برتن بھی صاف ستھرا چاہیئے۔ قرآن پاک بھی ایسے منہ سے سننا چاہیئے۔ جو صاف ستھرا اور مؤدب ہو۔ جو منہ گستاخی اور بے ادبی کے بدبودار تیل سے آلودہ ہو۔ اس منہ سے نکلا ہوا قرآن بھی قابلِ سماعت نہیں رہتا۔ کہ اس میں گستاخی و بے ادبی کی تفسیر کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ سچا پیر وہی ہے۔ جو اپنے مریدوں کے ایمان کی بھی حفاظت کرے۔ اور انہیں بدعقیدگی و بدعقیدہ افراد سے بچنے کی تلقین و تاکید

کرے۔ اور ایسے برائے نام پیر جو نماز و روزہ کے خلاف بکتے پھریں۔ یا جو بدمذہبوں کی بھی تعریف کریں۔ اور یوں کہیں کہ ہم کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ ہمارے لیے سب اچھے ہیں۔ شیطان کے نمائندے ہیں۔ ان سے بچنا چاہیئے ؎

اے لبسا ابلیس آدم روئے ہست
پس نہ باید داد در ہر دست دست!

حکایت نمبر ۱۳

جماعت علی

گوجرانوالہ کے محلہ اسلام آباد کے اہلسنّت نے ایک تبلیغی جلسہ کا انعقاد کیا جس میں صدارت حضرت امیر ملت محدث علی پوری کی رکھی۔ اور حسب ذیل علماء کرام کو دعوت دی۔

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوٹلی لوہاراں۔
حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جھنگ۔
حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت مولانا حشمت علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی۔
حضرت مولانا احمد یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہاولپوری۔

سارے علماء کرام تشریف لے آئے۔ والد گرامی کے ساتھ میں بھی گیا۔

جلسہ کا پروگرام بعد از نماز ظہر شروع ہونے والا تھا۔ اور علماء کرام دوپہر کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ مخالفین اہلسنّت اس کوشش میں تھے کہ علماء اہلسنّت اپنی تقریروں میں ردِّ باطل نہ کریں۔ تاکہ ان کی بدعقیدگیوں کا پول نہ کھل جائے۔

چنانچہ ان لوگوں نے ایک وکیل صاحب کو اس بات کے لیے تیار کیا۔ کہ وہ کسی صورت حضرت امیرِ ملّت سے مل کر عرض کریں کہ تقریروں میں کسی کا رد نہ کیا جائے۔ تاکہ فضا مکدر نہ ہو۔

کھانا کھا چکنے کے بعد حضرت امیرِ ملّت تشریف فرما تھے۔ دیگر علماء کرام بھی حاضر تھے۔ اتنے میں وہ وکیل صاحب آئے۔ اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ حضرت سے ہاتھ ملایا۔ اور پھر کہا۔

"حضور! میری ایک عرض ہے۔ شرف قبولیت پائے تو زہے قسمت"۔

کہیئے کیا بات ہے" امیرِ ملّت نے فرمایا

جناب! وکیل صاحب بولے۔ ہمارے محلہ میں دوسرے مسلک کے لوگ بھی آباد ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تقریریں ایسی ہوں۔ جو کسی مسلک کے خلاف نہ ہوں اور ......

وکیل صاحب اس سے آگے کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت امیرِ ملّت جلال میں آ گئے۔ اور فرمانے لگے۔

سُن لو! میری ماں نے مجھ تنہا کا نام جماعت علی رکھا ہے۔ مجھے تنہا نہ سمجھو میں پوری جماعت ہوں۔ اور جماعت بھی شیرِ خدا کی۔ میں تم سے ڈر کر یہ وعدہ کر لوں کہ اچھا کسی بدمذہب کا رد نہ ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے۔ ہم بدمذہبوں کا رد نہ ہی کرتے۔ مگر اب جو ہم نے یہ رد نہ کیا۔ تو تم سمجھو گے۔ کہ میرے کہنے پر یہ لوگ ڈر گئے ہیں۔ اس لیے اب تو لازماً ہمیں بدمذہبوں کا رد کرنا ہی پڑے گا۔

پھر آپ نے سارے علماء کو مخاطب فرما کر حکم دیا۔ کہ "آج دشمنانِ رسالت کی خوب قلعی کھول دی جائے"۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور سارے علماء کرام نے مسلک اہلسنّت کی تائید کے

ساتھ ساتھ دشمنانِ رسالت کی تفصیل کے ساتھ تردید کی۔

سبق

حضرت امیرِ ملت لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کے مصداق تھے۔ اور دشمنانِ رسالت کے مقابلہ میں آپ واقعی تنہا ہو کر بھی گویا شیرِ خدا کی جماعت تھے آپ نے مسلک اہلسنّت کی تائید اور اہل باطل کی تردید میں کبھی کوتاہی نہیں فرمائی۔ اور ہمیشہ انتہائی جرأت و دلیری کے ساتھ دشمنانِ حق کی سرکوبی فرماتے رہے۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ دشمنانِ حق خود تو اپنے جلسوں میں اہلِ حق کے خلاف شرک و بدعت کے فتوے سناتے پھرتے ہیں۔ مگر اہلِ سُنّت کی طرف سے اپنے غلط فتوؤں کے جوابات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اور اہلسنّت کے جوابی اقدام کو فتنہ انگیزی کا نام دے کر فضا کے مکدر ہو جانے کا رونا رونے لگتے ہیں۔ بالکل اس طرح جسطرح کوئی چور کسی شریف آدمی کا سامان لوٹ لے۔ اور وہ شریف آدمی اگر چور کے خلاف آواز بلند کرنے لگے۔ تو چور اس کی اس جائز آواز کو فتنہ انگیزی اور اتفاق و اتحاد کے لیے نقصان دہ ثابت کرنے لگے۔

آپ ہی ظلم کریں آپ ہی شکوہ اُلٹا
سچ ہے صاحب روش الٹی ہے زمانہ اُلٹا

حکایت نمبر ۱۴۱

پُرانا مذہب

امیرِ ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب بڑے وجیہہ تھے۔

سفید لباس، سر پہ دستار، دراز قامت اور حسین و جمیل گلنار چہرہ دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ اپنی وجاہت سے آپ ہر محفل پر چھا جاتے تھے۔ آپ بہت سادہ الفاظ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات دلوں پر اثر کرتے تھے۔ سامعین روتے اور وجد میں جھوم جھوم اُٹھتے تھے ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ایک مجلسِ وعظ میں، میں بھی حاضر تھا، حضرت امیرِ ملت حکمت و دانش کے موتی بکھیر رہے تھے۔ محفل پر سناٹا طاری تھا۔ سامعین گوش بہ آواز تھے۔ آپ نے فرمایا:

"سنو مسلمانو! علی پوری کی بات کو دل کے صحیفہ پہ لکھ لو۔ انسان جدت پسند ہے۔ نئی چیز پہ مائل ہو جاتا ہے اور ظاہری چمک دمک پر فدا ہوتا ہے۔

یاد رکھو! مکان نیا بنا لو تو کوئی حرج نہیں، لباس نیا بنا لو، جوتے نئے خرید لو حتیٰ کہ شادی نئی کر لو لیکن ______

لیکن یاد رکھنا کہ مذہب نیا اختیار نہ کرنا! مذہب پرانا ہی رکھنا۔"

سبق

مذہب اہلسنت و جماعت پرانا مذہب ہے۔ آج کل جتنے نئے نئے مذہب نظر آرہے ہیں ان نئے مذاہب کے کسی فرد کا شجرہ دیکھا جائے تو اس کا باپ نہیں تو دادا۔ دادا نہیں تو پردادا ضرور اہلسنت ہوگا۔ اور یہ اپنے بزرگوں کے مسلک سے ہٹ کر بالکل اسی طرح بد مذہب ہو گیا ہوگا جیسے کسی صحت مند باپ دادے کا بیٹا و پوتا ٹی بی کا مریض ہو گیا ہو۔ پس دانا و عقلمند وہی ہے جو اپنی جان کی طرح اپنے ایمان کی بھی حفاظت کرے۔

اور اپنے خدا کے ہوتے ہوئے کوئی نیا خدا نہ بنائے۔ اپنے رسول کے ہوتے ہوئے کوئی رسول نہ بنائے۔ اپنے باپ کے ہوتے ہوئے کوئی نیا باپ نہ بنائے۔ اور اپنے مذہب اہلسنت کے ہوتے ہوئے کوئی نیا مذہب نہ اپنائے۔

اپنے مذہب کو نہ ہرگز چھوڑیئے
بدعقیدوں سے نہ رشتہ جوڑیئے

حکایت نمبر ۱۵

ادب برائے ادب

والدِ گرامی حضرت فقیہ اعظم کے ساتھ ایک مرتبہ علی پور گیا۔ حضرت امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ دست بوسی حاصل ہوا۔ اس وقت آپ کی خدمت میں سینکڑوں ارادت مند حاضر تھے۔ جن میں خواص بھی تھے اور عوام بھی۔ ہم دونوں بھی ارادت مندوں کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک مولوی صاحب آئے۔ دست بوسی کے بعد وہ والدِ گرامی کے آگے بیٹھ گئے۔ اب صورت یہ ہوئی کہ ان کا چہرہ حضرت امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب تھا اور پشت حضرت فقیہ اعظم کی طرف۔ اس پر حضرت امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی صاحب سے فرمایا:

" مولوی صاحب آپ کی تعلیم کیا ہے؟"

" مولوی فاضل ہوں حضور! اور ایک سکول میں معلّم ہوں۔"

" بہت خوب! تو کیا آپ نے ادب کی کوئی کتاب پڑھی ہے؟"

" جی حضور! نظم میں حماسہ، متنّبی، المفضّلیات اور نثر میں ہدیہ سعیدیہ وغیرہ"
" افسوس کہ آپ نے ادب کی کتابیں پڑھ کر بھی ادب نہیں سیکھا! دیکھیئے تو سہی کہ آپ کے پیچھے اس دور کے عظیم محدّث اور فقیہ اعظم بیٹھے ہیں اور آپ ہیں کہ ان کی طرف پیٹھ کئے ہوئے ہیں؟"

اس پر وہ مولوی صاحب بہت شرمسار ہوئے۔ معذرت کی۔ اُٹھے اور دُوسری جانب بیٹھ گئے۔

سبق

بزرگوں کا ادب و توقیر بہت ضروری ہے۔ اگر ادب نہیں تو فضلِ رب بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔

وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کا ادب و توقیر نہ کرے۔

(مشکوٰۃ شریف صہ۴۱۴)

محض مولوی فاضل بن جانا بیکار ہے۔ جب تک بڑوں کا مودب بھی نہ بنے۔ اور بڑا صرف وہی نہیں جو عمر میں بڑا ہو۔ بلکہ جو علم میں بڑا ہو وہ بھی بڑا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں کو علماء کا ادب کرنا چاہیئے۔ ورنہ حضور کی مذکورہ بالا وعید سے ڈرنا چاہیئے۔
یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ ارشاد ادب و توقیر تو امت کے بڑوں کے لیے ہے۔ پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری امت بلکہ ساری کائنات کے آقا و مولیٰ اور خدا کے بعد سب سے بڑے ہیں۔ کا ادب و توقیر کیوں ضروری نہ ہوگا؟ اور جو شخص حضور کا بے ادب ہو اور آپ کی قبر انور کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھا نظر آئے۔ وہ "ہم میں سے" کیسے ہو سکتا ہے؟ ؎

بے ادب ہے جو رسول اللہ کا
کیا تعلق ہم سے اُس گمراہ کا!

حکایت نمبر ۱۶
شعر ٹوٹے پر ادب نہ چھوٹے

والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے گہری عقیدت تھی۔ آپ اکثر علی پور شریف حاضری دیا کرتے تھے۔ ادھر شاہ صاحب والدِ گرامی کے علمی مقام سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے وہ بھی والد صاحب کا بہت احترام فرمایا کرتے تھے۔ ایک طرف عقیدت تھی۔ اور دوسری طرف عنایت۔

مجھے بھی والد صاحب کے ساتھ بارہا حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حاضری ہوئی تو حضرت امیر ملت اٹھ کر بڑے تپاک سے ملے اور ہم دونوں کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ آپ والد صاحب گرامی سے گفتگو فرماتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئے:

"چھوٹے مولوی صاحب! کیا حال ہے؟"

"الحمد للہ! حضور! آپ کی دعائیں شاملِ حال ہیں"۔

"آج کل کیا کرتے ہو؟"

"حضور! حزب الاحناف میں پڑھتا ہوں۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ علم دین کی دولت سے نوازے۔"

"علم تو تمہارے گھر کی میراث ہے۔ وہ تو مل ہی جائے گا۔ اچھا! حضور کی نعت سناؤ۔"

آپ کے حکم پر مَیں اُٹھا۔ اوائل عمر تھی اور میری آواز خوبصورت تھی۔ مَیں نے

اپنی ہی کہی ہوئی ایک نعت پڑھنا شروع کی جس کا مطلع یوں ہے ؎

لاکھوں حسین کون ہیں آئے ہمیں نظر
ترے جمال کی ہے مگر شان ہی دِگر

مَیں نعت پڑھتا رہا اور آپ سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ کہہ کر داد دیتے رہے۔
جب میں اپنی نعت کے اس شعر پہ پہنچا ؎

گستاخ بے ادب ہیں بڑے آج پُر غرور
واللہ! اک نہ رہتا، جو ہوتے کبھی عمر

تو شاہ صاحب ایک دم چونک اُٹھے اور فرمایا:

"چھوٹے مولوی! کیا کہا؟ عُمر؟ صرف عمر؟ یہ بے ادبی ہے۔" حضرت عمرؓ کہو۔"
"حضور! اگر "حضرت عمرؓ" پڑھوں تو وزن قائم نہیں رہتا اور شعر ٹوٹ جاتا ہے۔"
میں نے عرض کیا تو آپ نے برجستہ فرمایا:

"شعر ٹوٹ جاتا ہے تو ٹوٹ جانے دو۔ مگر ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔
شعر ٹوٹے پر ادب نہ چھوٹے۔"

سبق

شعر مذکور میں ضرورتِ شعر کی وجہ سے لفظ حضرت نہ لایا جا سکا۔ پھر بھی حضرت امیرِ ملّت نے اس شعر کو پسند نہ فرمایا۔ ان کا یہ جذبۂ کمالِ ادب لائق صد تحسین ہے۔ کہ ضرورتِ شعر کو بعد میں دیکھو۔ پہلے ضرورتِ ادب کو دیکھو۔ حضرت امیرِ ملّت کے اس ارشاد کے پیشِ نظر یہ شعر میں نے یوں کر دیا ؎

گستاخ بے ادب ہیں بڑے آج پُر غرور
واللہ رہے نہ کوئی جو ہوں حضرتِ عمر

حکایت نمبر ۱۷

غیر خدا کا نام

قبلہ عالم حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مسئلہ گیارہویں شریف بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔ منکرین ہر اس چیز کو جس پر غیر خدا کا نام کسی طرح بھی آجائے۔ حرام کہہ دیتے۔ ان کی اس بات کا جواب حیدر آباد دکن کی ایک دانا عورت نے خوب دیا تھا۔ پھر آپ نے حیدر آباد دکن کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔

میں ایک مرتبہ حیدر آباد دکن گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہاں ایک گیارہویں شریف کا منکر مولوی عبداللہ گیارہویں شریف کے کھانے کو اسی لیے حرام کہتا تھا۔ کہ اس پر غیر خدا کا نام آجاتا ہے۔ اور یوں کہا جاتا ہے۔ غوث اعظم کی دیگ اور گیارہویں کے چاول۔

مولوی عبداللہ کی بیوی خوش عقیدہ تھی۔ ایک روز اس نے گیارہویں شریف کے ختم کے لیے چاول پکائے۔ مولوی عبداللہ گھر آیا۔ تو دیکھا۔ بیوی نے چاول پکائے ہیں۔ پوچھا یہ تم نے چاول کیسے پکائے ہیں؟ تو بیوی نے بتایا۔ یہ گیارہویں شریف کے چاول ہیں۔ مولوی عبداللہ بولا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ تو حرام ہو گئے۔ بیوی نے حیران ہو کر پوچھا۔ حرام کیسے ہو گئے؟ بولا جس چیز پر غیر خدا کا نام آجائے۔ وہ حرام ہو جاتی ہے۔ تم نے جو کہا کہ یہ چاول گیارہویں شریف کے ہیں۔ خدا کے نہیں کہا۔ اس لیے یہ حرام ہو گئے۔

بیوی کو غصہ آگیا۔ اور برقعہ پہن کر گھر سے جانے لگی۔ اور کہا اگر یہی بات ہے

تو پھر مجھے بھی سارے "مولوی عبداللہ کی بیوی" کہتے ہیں۔ کوئی خدا کا نام نہیں لیتا۔ گویا مجھ پر بھی غیرِ خدا کا نام آچکا ہے۔ اس لیے میں بھی تم پر حرام۔ میرا آخری سلام۔
یہ سُن کر مولوی عبداللہ کے ہوش گم ہو گئے۔ اور سنبھل کر جھٹ بولا۔
مسئلہ سمجھ میں آگیا ہے۔ واپس آجاؤ۔ تم بھی حلال اور چاول بھی حلال۔

سبق

جو لوگ گیارہویں شریف کو ناجائز و حرام بتاتے ہیں اور دلیل میں آیت مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ سناتے ہیں۔ اور اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں۔ کہ جس چیز پر غیر خدا کا نام پکارا جائے۔ وہ حرام ہے۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس لیے کہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے۔ کہ جس جانور پر ذبح کے وقت غیرِ خُدا کا نام لیا جائے وہ حرام ہے۔ چنانچہ عربی لغت کی مستند و مشہور کتاب صراح میں ہے۔

وَاَهَلَّ بِالتَّسْمِيَةِ عَلَى الذَّبِيْحَةِ قوله تعالى وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ اى نُوْدِىَ عليه بِغَيْرِ اسْمِ اللهِ (صراح ص۲۶۸)
یعنی اس نے ذبیحہ پر اللہ کا نام پکارا۔ اور خدا کے ارشاد مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا مطلب یہ ہے کہ ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔"

اسی طرح صاحبِ تفسیر روح البیان اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
اَىْ وَحُرِّمَ مَا رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذَبْحِهٖ لِلصَّنَمِ۔
یعنی جس جانور پر ذبح کرتے وقت بت کا نام پکارا جائے۔ وہ حرام ہے۔
(روح البیان ص۱۸۸ ج۱)

معلوم ہوا۔ کہ بوقت ذبح غیرِ خدا کا نام پکارنے سے چیز حرام ہو جاتی ہے۔ نہ یہ کہ کسی وقت بھی کسی چیز پر غیرِ خدا کا نام آجائے تو بھی وہ چیز حرام ہے۔ اگر یہی بات ہو تو پھر قصاب بھی جو ہر روز بکرے ذبح کرتے ہیں۔ تو وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ بکرے

گاہکوں کے لیے ہیں۔ کوئی بھی یوں نہیں کہتا۔ کہ یہ خدا کے لیے ہیں۔ تو کیا یہ بکرے بھی حرام ہو جائیں گے ؟

ایسے لوگوں کا کام بس مسلمانوں پر شرک و بدعت کے فتوے لگانا ہے۔

وہ موقعہ و محل دیکھتے ہی نہیں ؎

اک تیر لگانا جانتے ہیں
دیکھیں نہ جگر نہ دل نہ سینہ

حکایت نمبر ۱۸
دن مقرّر کرنا

مسئلہ گیارھویں شریف بیان کرتے ہوئے حضرت امیرِ ملّت محدّث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ یہ منکرین جو گیارھویں کے دن مقرّر کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ دن کیوں مقرر کیا جاتا ہے ؟ ان سے میں کہتا ہوں کہ تم اگر اتنے ہی مقرر کرنے کے خلاف ہو۔ تو پھر جب بیٹے یا بیٹی کی شادی کرتے ہو۔ تو جب بیٹے والے برات کے لیے دن مقرر کرنے کے لیے آتے ہیں۔ تو وہاں بھی یہی بات کہا کرو۔ کہ بھئی ! دن مقرّر کرنا بدعت ہے۔ اس لیے ہم دن مقرر نہیں کریں گے۔ "کسی نہ کسی دن برات لے کر آجانا۔"

اور پھر جب "مقرّر کرنا بدعت ہی ٹھہرا۔ تو پھر ایک برات ہی کے لیے دن کا مقرر کرنا بدعت کیوں ہو۔ لڑکے کا "مقرّر" کرنا۔ اور لڑکی کا "مقرّر" کرنا بھی بدعت ہونا چاہیئے۔ اور ان لوگوں کو یوں کہنا چاہیئے کہ :

"کسی نہ کسی دن برات لے کر آجانا۔ اور کسی نہ کسی لڑکے کو لے آنا۔ اور کسی نہ کسی لڑکی کو لے جانا۔"

سبق

ان منکرین کی باتیں عجیب بے ڈھنگی ہوتی ہیں۔ ایسوں کے لیے حضرت شاہ صاحب کا جواب خوب ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کوئی کام ایسا دکھاؤ۔ جو بغیر تقرر وقت کے ہوجاتا ہو۔ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا کے مطابق ہر بات کا ایک وقت مقرر ہے۔

وقت مقرر کرنے میں بہت سے فوائد اور سہولتیں میسّر ہوتی ہیں۔ دیکھئے زوال کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ ساڑھے بارہ بجے سے مثلاً تین بجے تک یہ وقت باقی رہتا ہے۔ باوجود اس کے ان منکرین نے بھی اپنی مسجدوں میں نماز ظہر کا وقت مقرر کر رکھا ہوتا ہے۔ اور بورڈ پر یہ لکھا ہوتا ہے۔ اس مسجد میں نماز ظہر ڈیڑھ بجے پڑھی جائے گی۔ ان سے پوچھئے۔ کہ آپ نے نماز ظہر کا یہ وقت کیوں مقرر کیا؟ جبکہ یہ وقت کافی وسیع ہے۔ سوا ایک بجے بھی نماز ہوسکتی ہے۔ پونے دو بجے بھی یہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ دو بجے بھی جائز ہے اور سوا دو بجے بھی جائز ہے پھر آپ نے ڈیڑھ بجے ہی کا ٹائم مقرر کیوں کیا؟ اس کا یہی جواب دیا جائے گا۔ کہ اگرچہ نماز اس ٹائم سے آگے پیچھے بھی ہوسکتی ہے۔ مگر لوگوں کی سہولت کے لیے تاکہ وہ ایک وقت مقررہ پر مسجد میں پونچکہ جماعت میں شریک ہوسکیں۔ ہم نے یہ وقت مقرر کر رکھا ہے۔

اسی طرح یاد رکھیئے۔ گیارہویں شریف کے لیے ہم جو دن مقرر کرتے ہیں۔ وہ محض لوگوں کی سہولت کے لیے کرتے ہیں تاکہ احباب یوم مقرر پر اس تقریب سعید میں شرکت کرسکیں۔ حالانکہ ایصال ثواب کے لیے یہی ایک دن مخصوص نہیں۔

آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے دن بھی یہ تقریب سعید منائی جا سکتی ہے۔ مگر اس تقریر میں وہی فائدہ ہے۔ جو آپ کی مسجد میں نماز کے اوقات کے تقرر میں موجود ہے۔

خدا نے اگر عقل سلیم عطا فرمائی ہو۔ تو یہی ایک بات سمجھ جانے کے لیے کافی ہے۔"

خط ان کو لکھ کے طولانی عبث تکلیف دینی ہے
اثر اک بات کہہ جائے تو سو دفتر سے بہتر ہے!

حکایت نمبر ۱۹

اُڑ کر

حضرت امیر ملت نے کئی حج کیے۔ تقریباً ہر سال مدینہ منورہ کا عشق انہیں اس شرف سے مشرف فرماتا۔ ایک سال آپ نے بذریعہ ہوائی جہاز جانے کا پروگرام بنایا۔ والدی المعظم کو پتہ چلا۔ تو مجھے ساتھ لے کر علی پور شریف پہنچے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ مدینہ منورہ ہی کا ذکر خیر کر رہے تھے۔ والد گرامی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دینے پھر جا رہا ہوں۔ والد ماجد نے دریافت کیا۔

حضور! اس بار سنا ہے۔ آپ ہوائی جہاز سے جا رہے ہیں؟

حضرت نے جواب دیا

مولوی صاحب! یار بلائے تو اُڑ کر پہنچنا چاہیئے۔

یہ جملہ کچھ ایسے انداز میں فرمایا۔ کہ حضور بھی آبدیدہ ہو گئے۔ اور حاضرین پر بھی

ایک کیف طاری ہو گیا۔

سبق

مدینہ منورہ کا عشق اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اہلِ سُنّت ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ اور ہمارے اکابرین نے ہمیں یہی پڑھایا و سکھایا ہے کہ جس دل میں مدینہ منورہ کی حاضری کا شوق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں۔ وہ دل مُسلمان کا دل نہیں۔ بلکہ ؎

دل وہ دل ہے جو تیری یاد سے معمور رہا
سر وہ سر ہے جو ترے قدموں پہ قربان گیا

اس شعر کے مطابق جو دل ہے وہی دل مسلمان کا دل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حج تو عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ یہ فرض ادا ہو جانے کے بعد مسلمان کو جو پھر اس مبارک سفر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یوں کہنے لگتا ہے ؎

مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

یہ سب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی کشش کا کرشمہ ہے۔ دراصل وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ میں پھر حاضر ہونے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ حج کعبہ بھی بہت بڑا شرف ہے۔ مگر ایک سچے مسلمان کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہونے کا تمنائی ہوتا ہے۔ اور اس کا اعلان یہ ہوتا ہے ؎

ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصلِ مراد حاضری اِس پاک در کی ہے

حکایت نمبر ۲۰

جامع دُعا

حضرت امیرِ ملت قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا حضور! سُنا ہے کہ بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دُعا مانگیں قبول ہو جاتی ہے۔ مگر سینکڑوں تمناؤں میں سے کس کس تمنا کا وہاں ذکر کیا جائے۔ کوئی ایسی جامع دُعا بتلایئے۔ جو اس وقت مانگ لی جائے۔ حضرت امیرِ ملت نے فرمایا کہ

بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتے ہی یہ دُعا مانگ لو

"الٰہی! میں جو دُعا مانگوں قبول فرما لینا۔"

اس کے بعد اطمینان سے جب بھی چاہو جو دُعا مانگو گے خُدا قبول فرمائے گا۔

سبق

سبحان اللہ! بزرگوں کی باتیں کیسی جامع اور مفید ہوتی ہیں۔ ایسے مشکل سوال کا ایسا آسان اور معقول جواب دیا۔ کہ عقلِ سلیم اسے فوراً قبول کر لیتی ہے حقیقت میں یہ اللہ والے مشکل کشا ہوتے ہیں۔ اور ان کے حضور حاضر ہونے سے بہت سی مشکلیں دُور ہو جاتی ہیں ؎

بار بار اس لیے میں آتا ہوں
تیرے در پر قرار پاتا ہوں

فقیہ اعظم

حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی

حکایات
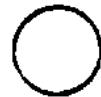
حکایت نمبر ۲۱

نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

والدِ ماجد حضرت فقیہِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا،

جب میں پہلی مرتبہ حج کے لیے گیا تو بحری جہاز میں ایک وہابی مولوی لوگوں کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی حاضری سے روک رہا تھا۔ میں اس مولوی سے اس مسئلہ پر بات کرنے لگا تو ایک دیہاتی آیا اور وہابی مولوی سے کہنے لگا۔

دیہاتی : تم کہاں جا رہے ہو؟ اور کس لیے جا رہے ہو؟

وہابی : مکہ جا رہا ہوں اور حج کے لیے جا رہا ہوں۔

دیہاتی : مکہ جانا اور حج کرنا تمہیں کس نے بتایا؟

وہابی : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

دیہاتی : تو بڑے نمک حرام ہو تم! کہ جس نے تمہیں مکہ کی راہ پر ڈالا اور حج سے مشرف کیا۔ اسی کے پاس جانے سے روک رہے ہو؟ افسوس ہزار بار افسوس۔ کم از کم اس محسن کا شکریہ ادا کرنے ہی مدینے گئے ہوتے۔

دیہاتی کے بے ساختہ پن سے وہ مولوی مبہوت ہو گیا۔

سبق

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم محسنِ کائنات ہیں۔ آپ نے دنیا کو قعرِ ضلالت سے نکالا۔ اور رشد و ہدایت کی بلندی پہ پہنچایا۔ بت پرستوں کو خدا پرست

بنا دیا۔ چوروں کو حافظ و نگہبان کر دیا۔ اور گمراہوں کو ہادی و رہنما بنا دیا۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

کعبہ معظمہ کی عزت و تکریم بھی حضور ہی کی بدولت ہے۔ انبیاء سابقہ علیہم السلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مگر یہ حضور ہی کا کرم ہے۔ کہ آپ نے یہ چاہا کہ اب قبلہ ہونے کا شرف کعبہ کو ملے۔ چنانچہ آپ کے چاہنے کے مطابق خدا تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔ قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

آج دنیا بھر کے مسلمان اپنی نمازوں میں اپنا مونہہ کعبہ کی طرف جو کرتے ہیں۔ تو یہ شرف کعبہ کو حضور کی نظر کرم سے ملا۔ اسی طرح حضور ہی کے صدقہ میں مسلمانوں کو شرف حج بھی نصیب ہوا۔ حضور حج نہ کرتے اکعبہ کا طواف نہ کرتے۔ تو حج کرنے کون جاتا! کوئی بھی نہ جاتا۔ حجر اسود کو حضور نے بوسہ دیا۔ تو سب اسے چومنے لگے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے فرمایا۔

لولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک (اے پتھر) اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔

(بخاری شریف صفحہ ۲۱۸)

معلوم ہوا کہ حج و نماز وغیرہ کے جملہ شرف مسلمانوں کو حضور کی بدولت ملے۔ پھر ایسے محسنِ اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے روکنا کتنی بڑی گمراہی ناشکر گذاری اور بیدینی ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے۔

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان کیا

حکایت نمبر ۲۲

عالمِ ماکان و مایکون صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے قصبہ کوٹلی لوہاراں میں ایک شخص بابا کرم الٰہی تھا جو بڑا متعصب وہابی تھا۔ ایک روز وہ والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ آپ کہتے ہیں۔ حضور کو علم غیب حاصل تھا۔ کیا حضور کو میرا بھی علم تھا کہ ایک شخص کرم الٰہی بھی ہوگا؟۔ والد ماجد نے فرمایا۔ یقیناً علم تھا۔ اور صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ تمہارے باپ دادا کا بھی علم تھا۔ اور اس بات کا بھی علم تھا۔ کہ تم کون ہو۔ اور کونسے قبیلے سے تمہارا تعلق ہے؟۔ بابا کرم الٰہی بولا۔ کہاں لکھا ہے دکھاؤ مجھے؟
حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کا صفحہ ۱۲ اس کے سامنے رکھا۔ اور یہ حدیث اُسے پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر سے مروی ہے۔ کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ حضور نے ہمیں مخاطب فرما کر فرمایا۔ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ۔ جانتے ہو۔ یہ دو کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ نہیں یا رسول اللہ

ہم نہیں جانتے۔ آپ ہی فرمائیں یہ کتابیں کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا۔ یہ جو کتاب میرے دائیں ہاتھ میں ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور

فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ۔

اس کتاب میں سارے جنتیوں کے نام ان کے باپ دادا کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں۔

اور یہ جو کتاب میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اور

فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ۔

اس کتاب میں سارے جہنمیوں کے نام ان کے باپ دادا کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں۔

یہ حدیث سُنا کر والد ماجد نے بابا کرم الٰہی سے فرمایا۔ کہ تمہارا نام وغیرہ مکمل پتہ دائیں ہاتھ والی کتاب میں نہ ہوا۔ تو بائیں ہاتھ والی کتاب میں تو یقیناً ہوگا۔

بابا کرم الٰہی کتاب میں اس حدیث کو غور سے دیکھتا رہا۔ مگر پھر کچھ کہہ نہ سکا۔ اور خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔

سبق

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی عطا سے عالِم ماکان ومایکون ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کے قائلین ہوں یا منکرین سب حضور کے علم میں ہیں۔ حضور نام بنام سب کو جانتے ہیں۔ جو کچھ آج تک ہو چکا۔ اور قیامت تک جو کچھ ہوگا۔ حضور پر سب عیاں ہے۔ کوئی شے آپ سے نہاں نہیں ؎

سرِ عرش پر ہے تری گذر دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حکایت نمبر ۲۳

حدیث کی تشریح

حضرت والد ماجد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک غیر مقلد نے کہا کہ آپ حدیث کے ہوتے ہوئے امام اعظم کا قول مان لیتے ہیں۔ اور حدیث کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت فقیہ اعظم نے فرمایا۔ استغفر اللہ العظیم۔ ایسی بات ہرگز نہیں۔ ہمارا حدیث پر دل وجان سے ایمان ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بتائی ہوئی حدیث کی منشا و مراد کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا موقعہ و محل اور اس کی منشا کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اور اگر تم اپنی ہی بات پر اڑے رہو۔ تو پھر میری ایک بات کا جواب دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے

اِذَا اَصَابَ اَحَدَکُمُ الْحُمّٰی فَاِنَّ الْحُمّٰی قِطْعَۃٌ مِنَ النَّارِ فَلْیُطْفِئْھَا عَنْہُ بِالْمَاءِ (مشکوٰۃ ص۱۳۵)

یعنی تم میں سے کسی کو بخار ہو جائے۔ تو چونکہ بخار آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس لیے اسے پانی سے بجھاؤ۔

اس حدیث میں یہ ارشاد ہے۔ کہ اگر کسی کو بخار ہو جائے تو وہ اسے پانی سے بجھائے۔ یعنی نہائے۔ لیکن تمہیں اگر بخار ہو جائے۔ اور ڈاکٹر یہ کہہ دے۔ کہ خبردار نہانا نہیں۔ تو تم یقیناً ڈاکٹر کی بات پر عمل کر کے نہانے کا نام بھی نہ لو گے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے۔ کہ تمہیں بخار ہو جائے تو اسے پانی سے بجھائے۔ تو بتاؤ۔ اگر تم سے کوئی یوں کہے۔ کہ تم نے حدیث کی پرواہ نہیں کی

اور اس کے مقابلہ میں ایک ڈاکٹر کا قول مان لیا۔ تو تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟
وہ غیر مقلد یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ حدیث ہے؟ فقیہ اعظم نے فرمایا
ہاں حدیث ہے۔ اور پھر یہ حدیث پاک کتاب سے اُسے دکھادی۔ اب وہ حیرانی کے
عالم میں فقیہ اعظم سے کہنے لگا۔ کہ اس کا مطلب ذرا آپ ہی بیان فرما دیں۔ فقیہ اعظم
علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔ کہ

اس کا مطلب محدثین کرام نے اس حدیث کی شرح میں یہ بتایا ہے۔ کہ اس
حدیث میں بخار کا لفظ اگرچہ عام ہے۔ لیکن اس کا موقعہ محل خاص ہے۔ یعنی یہ حکم
ہر قسم کے بخار کے لیے نہیں۔ بلکہ یہ اس بخار کے لیے ہے۔ جو گرمی کی وجہ سے پیدا
ہو۔ چونکہ حجاز میں بخار زیادہ تر گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اہل حجاز کو اسی قسم کے
بخار سے واسطہ رہتا ہے۔ اس لیے اس حدیث میں اسی گرمی کے بخار کا علاج مذکور
ہے۔ اور سردی کے بخار کے لیے یہ ارشاد نہیں۔

وہ غیر مقلد یہ تشریح سن کر بولا۔ ٹھیک ہے بات سمجھ میں آگئی۔

فقیہ اعظم نے فرمایا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے۔ تو ایک دوسری بات بھی سمجھ لو۔
کہ اسی طرح حدیث میں جو لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب آتا ہے۔ اس حدیث
میں بھی "صلوٰۃ" کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس کا موقعہ و محل خاص ہے۔ یعنی یہ
ارشاد ہر نمازی کے لیے نہیں۔ بلکہ اس نمازی کے لیے ہے۔ جو امام ہو۔ یا منفرد۔ چونکہ
قرآن پاک میں قرأت قرآن کے وقت خاموش رہنے اور سننے کا حکم ہے۔ اس لیے یہ
ارشاد امام اور منفرد کے لیے تو ہے۔ مقتدی کے لیے نہیں۔ اور حدیث کی یہ تشریح ہمیں
امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے بتائی ہے۔ تو جیسے پہلی حدیث کی شرح میں محدثین کے
ارشادات کو تم نے بھی مان لیا ہے۔ اسی طرح اب دوسری حدیث کی شرح میں امام اعظم
کے ارشاد کو ہم نے مان لیا۔ تو یہ ترک حدیث نہیں۔ اس پر وہ غیر مقلد کچھ نہ کہہ سکا۔ اور چلا گیا۔

سبق

ایک ہے مختلف دوائیوں کی شیشیوں کو جمع کر لینا ۔ اور ایک ہے ان دوائیوں کے استعمال کے موقعہ و محل کو جاننا ۔ دو شیشیاں ایک ہی سائز کی ہوں ۔ اور دونوں میں دوائی بھی ایک ہی رنگ کی ہو ۔ مگر ایک ہو پینے کے لیے ۔ اور دوسری ہو زہریلی جو چھاتی پر ملنے کے لیے ہو ۔ تو اگر کوئی نادان اس ملنے والی دوائی کو بھی یہ کہہ کہ یہ بھی تو دوائی ہی ہے کہ پی لے تو ظاہر ہے کہ وہ مرجائے گا ۔ بیمار کا فرض تھا ۔ پہلے وہ کسی طبیب سے پوچھ لیتا کہ دوائیاں تو دونوں ہی ہیں ۔ مگر پینے والی کونسی ہے ؟ تو اس صورت میں وہ بچ جاتا ۔ مگر اس نے جو بغیر کسی طبیب سے پوچھنے کے دوائی پی لی ۔ اس لیے مرگیا ۔

اسی طرح محدثین کرام نے حدیثوں کو جمع تو فرما دیا ہے ۔ مگر ان حدیثوں کا موقعہ و محل کیا ہے ؟ اس کا علم فقیہ کو ہوتا ہے ۔ جو دانا اور عاقبت اندیش ہوگا ۔ وہ حدیث پر عمل کرنے سے پہلے اس کا موقعہ و محل جاننے کے لیے کسی فقیہ سے پوچھ لے گا ۔ تاکہ ایسا نہ ہو ۔ کہ وہ حدیث ہو کسی دوسرے محل کے لیے ۔ اور یہ اس پر عمل کر رہا ہو ۔ غیر محل پر ۔ یہی فرق ہے ۔ مقلد و غیر مقلد میں ۔ کہ مقلد اپنے امام سے حدیث کا موقعہ و محل پوچھ لیتا ہے ۔ اور غیر مقلد بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی جاننے والے سے پوچھنے کے حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہے ۔ اور ظاہر ہے ۔ کہ اس طرح ہلاکت کا اندیشہ ہے ۔ لہٰذا ان اللہ والوں کا دامن پکڑنا چاہیئے ۔

سُنا قول سعدی انہیں تو بشیر

نبرو دامن نیک مرداں بگیر

حکایت نمبر ۲۴

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا

ہمارے قصبہ کے نزدیک ایک مشہور قصبہ چٹی شیخاں ہے۔ وہاں کسی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ تو مرحوم کے عزیزوں نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کو بلایا۔ والد ماجد گئے۔ اور نمازِ جنازہ پڑھائی اور نماز کے بعد دعا مانگی۔ دعا کے بعد ایک صاحب آئے۔ اور والد ماجد سے کہنے لگے نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنا کیا حضور سے ثابت ہے؟ کہ حضور نے نمازِ جنازہ پڑھ کر دُعا مانگی ہو۔ والد ماجد نے گھڑی دیکھ کر فرمایا۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے ہیں۔ کیا یہ ثابت ہے کہ دن کے گیارہ بجے صحابہ کرام نے حضور سے کوئی مسئلہ پوچھا ہو۔ اور حضور نے دن کے گیارہ بجے اس کا جواب دیا ہو؟ وہ کہنے لگا۔ مسئلہ پوچھنا تو ہر وقت جائز ہے۔ والد ماجد فرمانے لگے۔ تو دُعا مانگنی بھی ہر وقت جائز ہے۔ یہ بات سُن کر وہ مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

سبق

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ "میں دُعا مانگنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں۔ جب بھی وہ دُعا مانگے۔"

خدا تعالیٰ کے ارشاد میں "اِذَا دَعَانِ" تو موجود ہے یعنی جب بھی دُعا مانگے۔ اس "جب بھی" میں ہر وقت داخل ہے۔ جس وقت بھی دُعا مانگیے وہ " اذا دعان" کے مطابق ہے۔ نمازِ جنازہ کے بعد کا وقت بھی "جب بھی" میں داخل ہے۔ پھر اس وقت کو " اذا دَعَان" کی عمومیت سے نکال دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ دیکھیے۔ کوئی شخص دن

کے دس بجے دُعا مانگے۔ یا ساڑھے دس بجے مانگے۔ یا بارہ بجے مانگے۔ یا چار بجے مانگے۔ جس وقت بھی مانگے۔ جائز ہے۔ اور جواز کے لیے یہی آیت ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور اگر کوئی دس بجے دُعا مانگنے والے سے کہے۔ کہ کیا حضور سے دس بجے دُعا مانگنی ثابت ہے؟ تو اس سے یہی کہا جائے گا۔ بھئی دعا مانگنا تو "اِذَا دَعَانِ" کے مطابق ہر وقت جائز ہے۔ ہاں اگر دن کے دس بجے دعا مانگنا جائز نہیں، تو اس ممانعت کا ثبوت تم پیش کرو۔ کہ حضور نے کہاں فرمایا ہے۔ کہ دن کے دس بجے دعا نہ مانگو۔ اسی طرح نماز جنازہ کے بعد بھی دعا مانگنا "اِذَا دَعَانِ" کے مطابق جائز ہے اور اگر اس وقت کی دعا سے کوئی روکے تو ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ حضور نے کہاں فرمایا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگو۔ ورنہ اس وقت کی دعا سے روکنے والا خود بدعت کا مرتکب ہوگا۔ کہ ایک ایسی بات کہہ رہا ہے۔ جو حضور نے نہیں فرمائی۔

تعجب ہے۔ کہ ہم اگر کسی خدا کے مقبول سے کچھ مانگیں تو کہتے ہیں۔ غیر خدا سے مانگنا یہ شرک ہے۔ اور اگر جنازہ کے بعد خدا سے دُعا مانگیں۔ تو کہتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ گویا نہ اولیاء و انبیاء سے مانگو کہ وہ شرک ہے اور نہ خدا سے مانگو کہ یہ بدعت ہے۔

ہم کو ان سے دُعا کی ہے امید
جو نہیں جانتے دُعا کیا ہے

حکایت نمبر ۲۵

اچھے کام کرو

ہمارے قصبہ کے قریب ہی ایک قصبہ کھر ڈہ سیداں ہے۔ اس قصبہ میں سید حضرات بھی ہیں۔ والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ وہاں ایک محفل میلاد شریف میں وعظ فرمانے کے لیے گئے۔ اثناءِ وعظ میں آپ نے اعمالِ

صالحہ کی بھی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا۔ کہ بالخصوص سادات کرام کو اچھے کام اپنانا۔ اور بُرے کاموں سے بچنا چاہیئے۔ اس بات کو آپ نے زور دے کر بیان کیا۔ تو ایک بزرگ سیّد اُٹھے اور پوچھنے لگے۔ مولوی صاحب! مرغی حلال ہے یا حرام؟ والد ماجد نے فرمایا حلال ہے۔ کہنے لگے اگر مرغی نجاست کھالے تو کیا وہ حرام ہو جائے گی؟

مقصد شاہ صاحب کا یہ تھا۔ کہ مرغی چاہے نجاست کھاتی پھرے۔ وہ مرغی ہی رہے گی اور حلال ہی۔ اسی طرح اگر کوئی سید صاحب بُرے کام کرتے پھریں تو وہ سیّد ہی رہیں گے اور احترام کے قابل ہی۔

والد ماجد علیہ الرحمۃ اس کا مقصد سمجھ گئے۔ اور فرمایا۔ شاہ صاحب! ایسی مرغی جو نجاست کھانے کی عادی ہو۔ شریعت نے اس کے لیے حکم یہ دیا ہے۔ کہ اُسے چند روز باندھ کر بند رکھیں تاکہ نجاست کے اثرات جاتے رہیں۔ پھر اُسے ذبح کریں۔ تو شاہ صاحب! جو سیّد بُرے کاموں کا ارتکاب کریں گے۔ انہیں قیامت کے روز کچھ دیر کے لیے باندھا ضرور جائیگا۔ تاکہ بُرے کاموں کے اثرات دور ہو جائیں۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ قیامت کے روز تھوڑی دیر کے لیے بھی باندھے جانے سے ڈرا جائے۔ اور اچھے کام اپنا کر بُرے کاموں سے بچا جائے۔

سبق

ہم سب کو سیّد ہوں یا کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہیئے۔ اعمال صالحہ کو اپنانا اور بُرے کاموں سے بچنا چاہیئے۔ سید حضرات کا بھی یہی فرض ہے۔ کہ وہ شریعت کی پیروی کریں۔ انہیں اپنی بلند نسبت کا لحاظ کر کے اعمال صالحہ میں دوسروں سے بڑھ جانا چاہیئے۔ نہ یہ کہ صرف اس خیال سے کہ وہ سید ہیں نماز و روزہ کے قریب بھی نہ جائیں اور دن رات بُرے کاموں میں مشغول رہیں۔

ریل کا ڈبہ تھرڈ کلاس کا ہو یا فسٹ کا۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے دونوں

ہی کو انجن کے پیچھے لگنا اور ریل کی پٹڑی کے اُوپر چلنا پڑے گا۔ فسٹ کا ڈبہ اگر اس زعم میں کہ وہ فسٹ کلاس کا ڈبہ ہے انجن کے پیچھے نہ لگے۔ اور پٹڑی کے اوپر نہ چلے کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔ یونہی کوئی سید ہو یا غیر سید دونوں کو منزل مقصود یعنی نجات تک پہنچنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگنا اور شریعت کی پٹڑی پر چلنا پڑے گا۔ سید اگر اس زعم میں کہ وہ سید ہے۔ حضور کے پیچھے نہ لگے اور شریعت کی پٹڑی پر نہ چلے تو کبھی وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

حکایت نمبر ۲۶

دلآزاری

والد ماجد حضرت فقیہ اعظم ایک مرتبہ سمندری ضلع لائل پور کے ایک جلسہ میں تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچے۔ تو دیکھا ایک وکیل صاحب جلسہ کے صدر ہیں۔ اور انہوں نے ایک بڑے گتے پر حسب ذیل عبارت جلی حروف میں لکھوا کر اسے سٹیج کے سامنے لٹکا رکھا ہے۔

"کوئی صاحب کسی کے خلاف تقریر نہ کریں تاکہ کسی کی دلآزاری نہ ہو"۔

پتہ چلا۔ کہ جو صاحب بھی تقریر کے لیے سٹیج پر آتے ہیں۔ صدر صاحب انہیں پہلے یہ عبارت پڑھ لینے کے لیے کہتے ہیں۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ بھی تقریر کے لیے جب کھڑے ہوئے۔ تو حسب معمول صدر صاحب نے حضرت سے بھی کہا۔ کہ جناب! سامنے کی

عبارت کو ملحوظ رکھئے گا" والد ماجد علیہ الرحمۃ نے وہ عبارت پڑھی۔ اور پھر صدر صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ صدر صاحب! مجھے آپ ہی کوئی موضوع دے دیجئے۔ جس پر میں بولوں۔ صدر صاحب کہنے لگے۔ حضرت! نماز و روزہ کے مسائل سنائیے اور اصلاح معاشرہ فرمایئے۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ عوام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ مسلمانو! صدر صاحب نے یہ سامنے ایک گتّا لٹکا رکھا ہے۔ جس پر یہ لکھا ہے۔ کہ

" کوئی صاحب کسی کے خلاف تقریر نہ کریں، تاکہ کسی کی دلآزاری نہ ہو"

اسے پڑھ کر میں نے صدر صاحب سے اپنے لیے کوئی موضوع طلب کیا۔ تو انہوں نے مجھے نماز و روزہ اور اصلاح معاشرہ کا موضوع دیا ہے۔ مگر میں اب اس شش و پنج میں ہوں۔ کہ اس موضوع پر بھی میں اگر بولا۔ تو صورت وہی پیدا ہو جائے گی۔ جو صدر صاحب نہیں چاہتے۔ یعنی میں نے اگر نماز و روزہ کے مسائل و فضائل بیان کیے۔ اور بتایا۔ کہ نماز و روزہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ جو نماز و روزہ کا تارک ہے وہ مجرم اور مستحق عذاب ہے۔ اسی طرح نماز و روزہ کے ترک کرنے والوں کے لیے جو وعیدیں شریعت نے بیان کی ہیں۔ وہ اگر میں نے سنائیں۔ تو میری یہ تقریر بے نماز و بے روزہ افراد کے خلاف ہو جائیگی۔ اور ان کی دلآزاری ہوگی۔ اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں اگر میں نے بیان کیا۔ کہ سچ بولا کرو، پورا تولا کرو۔ رشوت نہ کھایا کرو۔ اور خیانت نہ کیا کرو۔ اور پھر ان لوگوں کے لیے جو جھوٹ بولتے۔ کم تولتے۔ رشوتیں کھاتے اور خیانتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ شریعت نے جو لعنت فرمائی ہے اور مختلف ہولناک عذابوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اگر میں نے بیان کر دیا۔ تو یقیناً ایسے لوگوں کی دلآزاری ہوگی۔ اور میری ساری تقریر ان لوگوں کے خلاف ہو جائیگی اب میں حیران ہوں۔ کہ اس موضوع پر بھی بولوں تو کیسے بولوں جبکہ صدر صاحب نہیں چاہتے۔ کہ کوئی تقریر کسی کے خلاف ہو اور کسی کی دلآزاری ہو" والد ماجد علیہ رحمۃ نے

یہ ٹھوس بات کچھ ایسے انداز میں بیان فرمائی۔ کہ صدر صاحب جو وکیل بھی تھے۔ حیران و مبہوت ہو کر اُٹھے اور کہنے لگے۔

" حضرت! آپ کے لیے اجازت ہے۔ آپ جو چاہیں بیان فرمائیں۔"

مجمع میں نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اور والد ماجد علیہ الرحمۃ نے اپنے محدثانہ انداز میں تائید حق و تردید باطل پر مشتمل اپنی تقریر فرمائی۔

سبق

آجکل کا یہ جملہ کسی کے خلاف نہیں بولنا چاہیئے۔ محض ایک فیشن ایبل جملہ ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔ کیونکہ حق و باطل ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اہل حق وہی ہے جو باطل کے خلاف ہو اور اہل باطل کے خلاف بولے۔ اسلام کفر کے خلاف ہے اور وہ کفر کے خلاف بولتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو کفر و شرک کے خلاف ارشادات فرمائے۔ لات و عزیٰ اور منات و ہبل کے پجاریوں کی تردید فرمائی۔ اور اس بات کی قطعاً پروا نہ فرمائی۔ کہ اس سے بت پرستوں کی دلآزاری ہو گی۔ اصلاح کے لیے ضروری ہے۔ کہ مصلح ان باتوں کو نظر انداز کر دے۔ ورنہ اصلاح مشکل ہے۔ کسی پھوڑے کے مریض سے ڈاکٹر کو کہنا پڑتا ہے۔ کہ تمہارا اپریشن ہو گا۔ اور اگر ڈاکٹر اس بات کو ملحوظ رکھ کر کہ کسی کے خلاف نہیں بولنا چاہیئے۔ مریض سے یہ بات نہ کہے یا مریض کا اپریشن کرتے وقت ڈاکٹر اگر یہ سوچنے لگے۔ کہ میرا نشتر چلنے سے مریض کی دلآزاری ہو گی۔ تو فرمایئے یہ اصول مریض کے لیے مفید ہو گا یا مہلک؟ یقیناً مہلک ہو گا۔ اسی طرح صدر صاحب جو خود وکیل تھے۔ وکیل کی حیثیت ہی کو پیش نظر رکھتے۔ تو انہیں وہ گتا لٹکانا نہ پڑتا۔ وکیل اپنے موکل کو حق بجانب سمجھ کر عدالت کے بھرے اجلاس میں موکل کی حمایت میں زوردار الفاظ میں تقریر کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی وہ تقریر فریق مخالف کے یکسر خلاف ہوتی ہیں۔ اور اس کی تقریر سے یقیناً فریق مخالف کی دلآزاری ہوتی ہے۔

مگر لائق اور سچا وکیل ان باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ اور وہ دھڑلے سے اپنے موکل کے حق میں اور مخالف کے خلاف دلائل پیش کرتا ہے۔ کیا کسی "صلح کلی" فرد میں اتنی جرأت ہے؟ کہ وہ اس قسم کی عبارت کسی گتے پر لکھوا کر عدالت میں لٹکا دے؟ یقیناً ایسی جرأت کوئی نہ کر سکے گا۔ پھر ایسی جرأت دین کے معاملہ میں کرنا کیوں حماقت و نادانی نہ ہو ؎

اہلِ حق حق کہنے سے رُکتے نہیں
سامنے باطل کے وہ جھکتے نہیں

حکایت نمبر ۲۷
صرف مسلمان

ہمارے سیالکوٹ میں ایک لیڈر آیا۔ اور اپنے جلسہ میں کہہ گیا۔ کہ یہ سُنّی شیعہ۔ حنفی۔ وہابی فرقے مولویوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ مسلمانو! تم ان مولویوں کے فرقوں سے بچو۔ اور صرف مسلمان بنو۔

یاد رکھو! ہم نہ سنّی ہیں نہ شیعہ نہ حنفی نہ وہابی۔ ہم صرف مسلمان ہیں۔

حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کو احباب سیالکوٹ نے مدعو کیا۔ اور دوسرے دن جامع مسجد مولانا عبدالحکیم علیہ الرحمۃ میں ایک عظیم اجتماع میں والد ماجد علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ لیڈر صاحب جو کہہ گئے ہیں۔ کہ ہم نہ سُنّی ہیں نہ شیعہ نہ حنفی نہ وہابی۔ ہم صرف مسلمان ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں۔ کہ وہ ہمیں کوئی ایسی نماز پڑھ کر دکھائیں۔ جو نہ سنیوں کی ہو۔ نہ شیعوں کی۔ نہ حنفیوں کی نہ وہابیوں کی۔ بلکہ صرف مسلمانوں کی ہو۔

اگر وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھیں گے تو شیعہ ہو جائیں گے۔ ہاتھ باندھ کر پڑھیں گے تو سُنّی اور اگر ہاتھ ناف پر باندھیں گے تو حنفی۔ سینے پر باندھیں گے تو وہابی۔ لیڈر صاحب ہمّت کر کے کوئی ایسی نماز پڑھ کر دکھائیں جو کسی فرقہ سے متعلق نہ ہو۔ اور صرف مسلمانوں کی ہو۔

مجھے یاد ہے۔ مجمع میں سے ایک عمر رسیدہ بزرگ اُٹھے۔ اور کہنے لگے۔ مولانا! صرف مسلمانوں کی نماز یہ ہے۔ کہ نماز پڑھی ہی نہ جائے۔

اس بات پر مجمع ہنسنے لگا۔ اور والد ماجد بھی فرمانے لگے۔ واقعی ایسے لوگ جو صرف مسلمان بنتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہی نہیں۔

سبق

آج کل کے لیڈروں کا یہ بھی ایک رٹا ہوا جملہ ہے۔ کہ یہ مولوی فرقہ باز ہیں۔ فرقے پیدا نہیں کرنے چاہئیں۔ اور صرف مسلمان بننا چاہیئے۔ حالانکہ ایسے لوگ نہیں جانتے۔ کہ وہ یہ کہتے ہُوئے خود بھی ایک نیا فرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ مثلاً ایک شہر میں دو فرقے ہیں۔ شیعہ اور سُنّی۔ اس شہر میں ایسا لیڈر پہنچ کر ایک تیسرا فرقہ پیدا کر دے گا۔ جو نہ شیعہ ہوگا نہ سُنّی۔ گویا اس شہر میں اگر پہلے دو فرقے تھے۔ شیعہ و سُنّی۔ تو اب تین ہو گئے۔ شیعہ و سُنّی اور تیسرا وہ جو نہ شیعہ نہ سُنّی۔ تو فرمایئے۔ یہ فرقہ گھٹا یا بڑھا؟

انسان کی ایک نوع ہے مرد۔ اور دُوسری عورت۔ اور ایک تیسری نوع بھی ہے ہیجڑا۔ جو نہ مرد ہے نہ عورت۔ ہیجڑہ ان نوعوں کو گھٹاتا نہیں۔ بلکہ بڑھاتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ ؎

اسی کا نام تو لا مذہبی ہے
نہ اِلَی الذی ہے نہ اَلَی الذی ہے

حکایت نمبر ۲۸
سرگودھا کی جامع مسجد میں

سرگودھا کی جامع مسجد میں ایک دیوبندی مولوی عبد الحکیم نامی خطیب تھے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر مسلمانانِ سرگودھا جلوس نکالنا چاہتے تھے۔ مگر مولوی عبد الحکیم صاحب اس جلوس کو بدعت کہہ کر اس کی مخالفت کر رہے تھے۔

مسلمانانِ سرگودھا نے والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کو بلایا۔ والد ماجد وہاں تشریف لے گیے۔ میں بھی ساتھ گیا۔ حضرت نے وہاں پونچکر فرمایا۔ کہ میری تقریر جامع مسجد ہی میں کراؤ۔ اور میری طرف سے اعلان کرادو۔ کہ میں جوازِ جلوس پر تقریر کروں گا۔ جسے کچھ اعتراض ہو۔ وہیں اسی وقت مجھ سے اپنے اعتراض کا جواب لے لے۔

چنانچہ حضرت کی تقریر کا جامع مسجد میں انتظام ہوا۔ بڑا اجتماع ہوا۔ اور مولوی عبد الحکیم صاحب بھی جلسہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے محدثانہ انداز میں بدعت کی تعریف کر کے ثابت کیا۔ کہ ہر نئی بات جس کی اصل شریعت میں موجود ہو بدعت نہیں۔ یہ جلوس اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ نکلا۔ مگر ہے اچھی چیز۔ دیکھیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کا جب مشورہ دیا۔ تو صدیق اکبر نے یہ جواب دیا۔

كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وہ کام کیسے کروگے جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔
اس کا جواب حضرت عمرؓ نے یہ دیا۔

هٰذَا وَاللهِ خَيْرٌ۔ واللہ یہ کام اچھا ہے۔

یعنی اگرچہ یہ کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ مگر کام اچھا ہے۔ حضرت عمر کے اس جواب سے صدیق اکبر فرماتے ہیں۔ میرا سینہ کھل گیا۔ اور میں بھی اس کی اہمیت کو سمجھ گیا۔ پھر آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کہ تم جوان اور عقلمند آدمی ہو۔ کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ لہٰذا تم تلاش کر کے قرآن کو ایک جگہ جمع کر دو۔

حضرت زید بھی یہی فرمانے لگے کہ

كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آپ وہ کام کیسے کریں گے جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کا وہی جواب دیا کہ

هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ۔ واللہ یہ کام اچھا ہے۔

حضرت زید کا بھی سینہ کھل گیا۔ اور وہ بھی جمع قرآن کی اہمیت کو سمجھ گئے۔ اور قرآن کو جمع کر کے صدیق اکبر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ مفصل حدیث بخاری شریف باب جمع القرآن صہ ۷۴۵ پر موجود ہے۔

حضرت والد ماجد نے یہ حدیث سنا کر فرمایا۔ کہ حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ یہ جلوس اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ نکلا تھا۔ مگر هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ۔ واللہ یہ کام اچھا ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا مخالفین جلوس کا بھی سینہ کھول دے۔ اور وہ اس کی اہمیت کو جان لیں۔

والد ماجد علیہ الرحمۃ کا علمی انداز بیان بے حد موثر تھا۔ مولوی عبد الحکیم بیٹھے تقریر سنتا رہا۔ اور کسی اعتراض کی اسے جرأت ہی پیدا نہ ہوئی۔

آخر تقریر میں والد ماجد نے فرمایا۔ مسلمانو! میری ایک نصیحت ہے۔ سنو اور اس پر عمل کرو۔ دیکھو ایک ٹوکری میں اگر چند سیب پڑے ہوں۔ اور ان سیبوں میں ایک گلا سڑا سیب بھی ہو۔ تو دانائی کی بات یہ ہے۔ کہ ان اچھے سیبوں میں سے اس گندے

سیب کو نکال کر پھینک دیا جائے۔ ورنہ سارے اچھے سیب بھی خراب ہو جائیں گے۔
اس بات پر مولوی عبدالحکیم اچھلا اور کھڑا ہو گیا۔ اور یہ سمجھ کر کہ یہ اشارہ اس
کی طرف ہے۔ کہ خوش عقیدہ مسلمانوں میں وہ بدعقیدہ ہے لہٰذا اسے نکال دیا جائے۔
کہنے لگا۔ مولانا! اگر ٹوکری میں ایک ہی سیب اچھا ہو۔ اور باقی سب گندے ہوں تو؟
والد ماجد نے فرمایا۔ تو بھی اس اچھے سیب کو ان گندے سیبوں سے نکال دینا چاہیئے۔
تاکہ وہ اچھا سیب بھی خراب نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا۔ اس ایک گندے سیب کو
اچھے سیبوں میں یا اس ایک اچھے سیب کو گندے سیبوں میں رہنے کا کوئی حق نہیں
اسے بہر حال نکالنا ہی ہو گا۔" یہ سُن کر وہ مولوی خاموش ہو گیا۔

سبق

جلوس میلاد شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم کا ایک مظاہرہ ہے
اور حضور کی محبت و تعظیم خدا کو مطلوب ہے وہ کسی رنگ میں بھی ہو۔ جائز و مستحسن ہے
ہاں جو باتیں شریعت میں ممنوع ہیں۔ وہ جلوس میں ہم بھی ناجائز کہتے ہیں۔ مثلاً ڈھول
دھماکا اور باجے وغیرہ۔ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت۔ تلاوتِ قرآن۔ نعت خوانی۔ اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ و صورتِ منورہ کا بیان یہی کچھ تو جلوس میں ہوتا ہے۔
شرکاءِ جلوس شہر کے گوشہ گوشہ میں پہنچکر اپنے آقا کی شان سنتے سناتے ہیں فرمایئے
اس میں کونسی بات منع ہے۔ اگر ان باتوں کا نئے انداز میں بیان کرنا بدعت کا باعث
ہے۔ تو پھر قرآن پاک کو تاج کمپنی وغیرہ جو طلائی و نقرئی اور منقش و مزین انداز میں شائع
کر رہے ہیں۔ ایسے دیدہ زیب طلائی و نقرئی اور منقش قرآن کو بھی بدعت کہنا
پڑے گا۔ حالانکہ مسلمان قرآن پاک کو مزیّن دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ حضور کی
محبت و تعظیم کا مظاہرہ جلوسِ میلاد شریف کے رنگ میں ایسے ہی ہے۔ جیسے
تاج کمپنی کا مزیّن و مطلا قرآن۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں کو بدعقیدہ افراد سے بچنا چاہیئے۔ ورنہ جیسے ایک گندے سیب کی وجہ سے اچھے سیب بھی خراب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بدعقیدہ افراد کی صحبت خوش عقیدہ افراد کے لیے باعثِ خطرہ ہے۔ اسی لیے مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے ؎

دور شو از اختلاطِ یارِ بد
یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

حکایت نمبر ۲۹

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شاتم رسول راجپال کو واصلِ جہنم کیا۔ تو غازی صاحب نے انگریز کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرما کر ابدی زندگی پالی۔ ان دنوں ہمارے سیالکوٹ کے اسلامیہ ہائی سکول میں غازی موصوف کی یاد میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس کے صدر سر عبدالقادر تھے۔ تقریر کے لیے والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اہلحدیث حضرات کے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مدعو تھے۔ والد ماجد کے ساتھ میں بھی گیا۔ اسلامیہ ہائی سکول کا وسیع صحن سامعین سے پُر تھا۔ سٹیج پر صدر صاحب کے علاوہ والد ماجد علیہ الرحمۃ اور مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی موجود تھے۔ پہلا وقت مولوی محمد ابراہیم صاحب کا تھا۔ چنانچہ وہ اُٹھے۔ اور غازی علم الدین علیہ الرحمۃ کی بڑی تعریف کی۔ اور ناموسِ رسول پر مر مٹنے کا ان کا جذبہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ غازی علم الدین علیہ الرحمۃ شہید اگرچہ

داڑھی منڈے تھے۔ مگر کام ایسا کر گئے۔ کہ ان پر میری اس داڑھی جیسی سینکڑوں داڑھیاں قربان۔ اور پھر کہا کہ یہ حقیقت ہے۔ کہ جب کبھی ناموسِ رسول کا سوال پیدا ہوتا ہے، تو یہ داڑھی منڈے ہی میدان میں نکلتے ہیں۔ مجھ جیسے داڑھی والے حجروں میں جا بیٹھتے ہیں۔ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ ان داڑھی منڈوں میں جو محبت و عشقِ رسول پایا جاتا ہے مجھ جیسے داڑھی والوں میں نہیں۔"

مولوی ابراہیم صاحب نے جب یہ بات کہی۔ تو والد ماجد علیہ الرحمۃ مسکراتے ہوئے اُٹھے۔ اور فرمایا

"اور یہ بات بھی یاد رہے۔ کہ داڑھی منڈے اکثر حنفی و سُنی ہوتے ہیں۔ اور داڑھی والے اکثر وہابی۔"

والد ماجد علیہ الرحمۃ کے اس چھوٹے سے جملے نے وہ لطف پیدا کیا۔ کہ سارا مجمع نعرہائے تکبیر و رسالت سے گونج اٹھا۔ اور سر عبدالقادر بھی مسکرانے لگے۔

سبق

مسلمان کا عمل اچھا نہ بھی ہو۔ تو بھی اس کے دل میں محبت و عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ جس کا عمل اچھا نہ ہو۔ وہ محبِ رسول نہیں ہو سکتا۔ صحیح نہیں۔ حدیث شریف میں یہ واقعہ موجود ہے۔ کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی باتوں سے ہنسایا کرتا تھا۔ اس نے ایک بار شراب پی لی۔ تو اُسے دُرّے مارے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ پھر اسی جرم میں پکڑا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ حضور کے حکم سے پھر اُسے دُرّے مارے گئے۔ صحابہ میں سے کسی نے اس پر لعن کی اور کہا کیسا بُرا آدمی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے بُرا نہ کہو۔ بخدا میں جانتا ہوں۔ کہ اسے اللہ اور

اس کے رسول سے محبت ہے ۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۳۰۸) دیکھ لیجئے ۔ ایک شرابی کے لیے حضور قسم فرما کر فرما رہے ہیں ۔ کہ وہ اگرچہ شرابی ہے ۔ مگر اُسے اللہ و رسول سے محبت ہے ۔ معلوم ہوا ۔ کہ عمل اچھا نہ بھی ہو ۔ تو بھی محبت و عشق رسول موجود ہوتا ہے ۔

مولوی ابراہیم صاحب نے جو کہا ۔ درست کہا ۔ کہ "ناموسِ رسول پر مر مٹنے کے وقت یہی گناہ گار مسلمان میدان میں نکلتے ہیں ۔ اور ان جیسے نیک بندے حجروں میں جا بیٹھتے ہیں" ۔ دیکھ لیجئے ۔ کسی شخص کے دو بیٹے ہوں ۔ ایک اس کا بڑا فرمانبردار اور نیک بیٹا ہو ۔ نمازی و متقی اور پرہیز گار ہو ۔ اور اس کا دوسرا بیٹا بڑا اوباش و عیاش اور باپ کا نافرمان ہو ۔ کبھی مسجد میں نہ آتا ہو ۔ ہر وقت بری مجلس میں بیٹھے رہنے کا عادی ہو ۔ اگر کسی روز اس شخص کو کوئی بدمعاش گالیاں دینے لگے ۔ اور اس کی اہانت و ہتک کرنے لگے ۔ تو اس کے دونوں بیٹوں میں سے جو فرمانبردار اور پرہیز گار بیٹا ہے ۔ وہ تو جھگڑے سے ڈرتا ہوا اپنی عزت بچانے کو گھر جا بیٹھے گا ۔ اور جو اوباش اور عیاش بیٹا ہے ۔ وہ اس بدمعاش سے ٹکر لے گا ۔ اور اپنے باپ کی عزت و ناموس کی خاطر للکارتا ہوا میدان میں آ کودے گا ۔ اور کہے گا ۔ کون ہے میرے باپ کو گالیاں دینے والا ۔ اور میرے اباجی کی اہانت کرنے والا ۔ یہ کہتا ہوا اس بدمعاش کو جا دبوچے گا ۔ اور اپنے باپ پر قربان ہو جانے کے لیے بھی تیار نظر آئے گا ۔

والد ماجد علیہ الرحمۃ نے بھی جو فرمایا بالکل درست ہے ۔ ناموسِ رسول پر مر مٹنے والے جملہ شہیدان کرام حنفی و سُنّی تھے ۔ غازی علم الدین علیہ الرحمۃ کے علاوہ دہلی کے غازی عبد الرشید ۔ کراچی کے غازی عبد القیوم ۔ لاہور کے غازی عبد اللہ اور امیر احمد ۔ کنجاہ کے غازی اللہ دتا ۔ قصور کے غازی محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ سب حضرات سُنّی اور حنفی تھے ۔ ہمارا چیلنج ہے ۔ کوئی ایسا

غازی دکھاؤ۔ جو وہابی ہو، دیوبندی ہو۔ شیعہ ہو۔ یا مرزائی ہو۔ اور ناموسِ رسالت کی خاطر اس نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہو؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسا کوئی غازی نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔ کیونکہ ناموسِ رسالت پر مر مٹنے کا جذبہ محبت و عشقِ رسول سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ محبت و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فضل و کرم سے اہلسنت ہی کے حصّہ میں آیا ہے۔ اور ہر سُنّی کے وردِ زباں یہ ہے کہ۔

قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے
جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے۔

حکایت نمبر ۳۰
وسیع النظر

حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے متعلق بیان فرمایا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر و مناظرے میں دلائل سے زیادہ استہزاء ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا نظام الدین صاحب ملتانی علیہ الرحمۃ سے ان کا مناظرہ ہوا۔ تو چونکہ مولانا نظام الدین صاحب کی ایک آنکھ نہ تھی۔ اس لیے مولوی ثناء اللہ صاحب نے مجمع میں یہ کہا۔ کہ لوگو! یہ دیکھو میری دو آنکھیں ہیں۔ اور اُدھر مولوی نظام الدین کو دیکھو ان کی ایک آنکھ ہے اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ہم دونوں میں وسیع النظر کون ہے؟ میں یا مولوی نظام الدین؟

مولانا نظام الدین صاحب نے فوراً اُٹھ کر جواب دیا۔ مسلمانو! بیشک

ان کی دو آنکھیں ہیں اور میری ایک ۔ مگر وہ اپنی دو آنکھوں سے میری ایک آنکھ دیکھ رہے ہیں ۔ اور میں اپنی ایک آنکھ سے ان کی دو آنکھیں دیکھ رہا ہوں ۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں ۔ کہ وسیع النظر میں ہوں یا مولوی ثناء اللہ ؟

اس پُر لطف جواب سے مولوی ثناء اللہ بھی مُسکرا دیئے ۔

سبق

جس کے پاس دلائل نہ ہوں ۔ وہ تمسخر و استہزاء اور اپنی لسّانی سے کام لیتا ہے اور کامیاب مناظر فریق مخالف کے دلائل کا جواب دلائل سے اور اس کے استہزاء کا جواب جَزَاءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا کے مطابق اسی رنگ میں دیتا ہے ۔ ؏

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

جامعِ حکایات

ابوالنور محمد بشیر مؤلّف واعظ

کی

حکایات

حکایت نمبر ۱۳۱
ترجمہ

بچپن میں جب میں نے لکھنا پڑھنا شروع کیا تو حضرت والد ماجد فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے مجھے فارسی پڑھانا شروع کی۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ مجھے بعض اُردو کے جملے لکھ کر دیتے اور فرماتے کہ میں ان اردو جملوں کا فارسی میں ترجمہ کر کے ان کو دکھاؤں۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے یہ اردو جملہ دیا۔

زید مر گیا

اور فرمایا۔ اس کا فارسی میں ترجمہ کرو۔

مَیں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا

زید مر رفت

حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ میرا یہ ترجمہ دیکھ کر بہت ہنسے۔ اور فرمایا۔ لفظی ترجمہ تو ٹھیک ہے۔ مگر محاورہ کے لحاظ سے غلط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

زید بمرد

سبق

کسی دوسری زبان کا اپنی زبان میں ترجمہ کرنا بھی ایک خاص فن ہے۔ بالخصوص قرآن پاک کا ترجمہ اپنی زبان میں کرنا۔ یہ ہر کسی کا کام نہیں۔ جس پر خدا کا خاص فضل و کرم ہو۔ وہی اس عظیم شرف سے مشرف ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک کے اکثر ترجمے معیارِ صحت پر پورے نہیں اترتے۔

مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں جو آیت ہے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ۔

اس کا جو لفظی ترجمہ ذہن میں آتا ہے۔ کئی مترجمین نے وہی ترجمہ کر دیا ہے چنانچہ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے بھی اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو" (مولوی صاحب کا مترجم قرآن ص۴۳۶) یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے خدا کے متعلق سمجھا۔ کہ خدا انہیں نہ پکڑ سکے گا۔" (استغفر اللہ) کیا اللہ کا پیغمبر تو پیغمبر ہے کوئی ادنیٰ مسلمان بھی خدا کے متعلق یہ گمان کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اب دیکھئے اس کا صحیح ترجمہ جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا۔ ہے۔ انہوں نے ترجمہ یہ کیا ہے،

"گمان کیا کہ ہم پر اس پر تنگی نہ کریں گے۔" (کنز الایمان ص۴۶۵)

نَقْدِرَ کا لفظی ترجمہ کہ ہم قدرت نہ پا سکیں گے اور پکڑ نہ سکیں گے۔ مولوی محمود الحسن نے کیا۔ جو غلط ہے۔ اور شان پیغمبر کے سراسر خلاف۔ اور قَدَرَ کا ایک دوسرا معنیٰ تنگ کرنا بھی ہے۔ (عربی لغت کی کتاب صراح ص ۲۶۸) جیسے قرآن میں بھی دوسری جگہ ہے۔ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ۔ یعنی اس پر رزق تنگ کرے۔" تو آیت مذکورہ کا صحیح ترجمہ یہی ہے۔ کہ گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔" اور یہ ترجمہ صرف اعلیٰ حضرت ہی نے کیا ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ جن میں دوسروں کے ترجمے غلط اور شان پیغمبری کے خلاف ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کے ترجمے بالکل صحیح اور شان رسالت کے عین مطابق ہیں۔ اسی لیے ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ قرآن پاک کا زبان اردو میں صحیح ترجمہ اگر ہے تو اعلیٰ حضرت کا۔

عام فہم اور سادہ سی مثال ہی لیجئے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ سب نے یہ کیا ہے۔ شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔" "شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے"۔ یہ جملہ پھر پڑھیئے۔ اور سوچئے۔ کہ یہ شروع

کرنا ساتھ نام اللہ کے ہے۔ یا ساتھ نام شروع کے ہے؟ آیئے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ دیکھئے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا انہوں نے ترجمہ یہ کیا ہے۔ "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا"۔ دیکھئے یہ ہے اللہ کے نام سے شروع؟ کہ جملہ کا پہلا لفظ ہی اللہ ہے۔ تاکہ اسی نام سے شروع ہو سکے۔

اعلیٰ حضرت پر کروڑوں رحمتیں
ترجمے کی دور کر دیں مشکلیں

حکایت نمبر ۳۲
لاہور کا تاریخی مناظرہ

یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب میں لاہور دارالعلوم حزب الاحناف میں پڑھتا تھا۔ استاذی المعظم شیخ المحدثین سند المحققین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متواتر سعیٔ بلیغ و موثر تبلیغ سے دیوبندی حضرات کے عقائد پر مسلمانانِ لاہور مطلع ہو چکے تھے۔ اور دیوبندی حضرات اپنے عقائد پر پردہ ڈالنے کے لیے مختلف پوسٹر شائع کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ دارالعلوم حزب الاحناف کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ اس آئے دن کے نزاع کو بند کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن مناظرہ ہو جائے جس میں سب سے پہلے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو بقید حیات ہیں۔ کی حفظ الایمان کی کفریہ عبارت کو موضوع قرار دیا جائے۔ اور علماء اہلسنّت کے سامنے علماء دیوبند خود اپنے مولوی اشرف علی صاحب سے اپنی کفریہ عبارت کو اسلامی عبارت ثابت کرا دیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دارالعلوم حزب الاحناف کی طرف سے باقاعدہ ایک رجسٹری

خط سے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کو تھانہ بھون میں دعوت بھیج دی گئی۔ کہ آپ لاہور تشریف لاکر مسلمانوں کے اجتماع میں اپنی بریت ثابت کریں۔ اور اپنی کفریہ عبارت کی تصحیح فرما کر اس نزاع کو ختم کریں۔ اس رجسٹرڈ چیلنج مناظرہ کو لاہور میں مشتہر کردیا گیا۔ اور دیوبندی حضرات کو آمادہ کیا گیا۔ کہ وہ مناظرہ کے لیے تیار ہوجائیں۔ دیوبندی حضرات بادل نخواستہ اس مناظرہ کے لیے تیار ہوئے۔ مگر مولوی اشرف علی صاحب نے رجسٹرڈ چیلنج مناظرہ کو وصول کرکے کوئی جواب نہ دیا۔ مناظرہ کا دن قریب آرہا تھا۔ اور مولوی اشرف علی صاحب کا کوئی جواب نہ پاکر دیوبندیوں سے کہا گیا کہ اپنے مولوی کو بلاؤ۔ دیوبندیوں نے جواب دیا۔ کہ مولوی صاحب اگر تشریف نہ لائیں۔ تو کیا مضائقہ ہے؟ ہم جو ہیں۔

ہماری طرف سے جواب دیا گیا۔ کہ اگر مولوی صاحب خود نہیں آسکتے۔ تو وہ اپنا کوئی وکیل بھیجدیں۔ مولوی اشرف علی صاحب کو بھی رجسٹری خط میں یہ لکھ دیا گیا تھا کہ اگر آپ خود نہ آسکیں۔ تو کسی کو اپنا وکیل بنا کر بھیجدیں۔ جو آپ کی طرف سے آپ کی وکالت کرے۔ اور آپ اس کی فتح کو اپنی فتح اور اس کی شکست کو اپنی شکست تسلیم کریں۔ دیوبندی حضرات نے وعدہ کرلیا۔ کہ مناظرہ میں اگر ہمارے مولوی صاحب نہ آئے۔ تو ان کا وکیل آجائے گا۔

دارالعلوم حزب الاحناف نے اس بات کو بھی مان لیا۔ تاکہ یہ جھگڑا کسی صورت ختم ہو۔ اور پھر اپنے علماء کرام کو اس فقید المثال اور فیصلہ کن مناظرہ کی اطلاع دے دی گئی۔

مزے کی بات یہ ہے۔ کہ مولوی اشرف علی صاحب باوجود اس کے کہ انہیں رجسٹری خطوط بھیجے گئے۔ اور باوجود اس کے کہ صرف انہی کی ایک عبارت موضوع مناظرہ قرار پائی تھی۔ کسی صورت آنے پر تیار نہ ہوئے۔ اور علماء اہلسنت دور دراز

کا سفر طے کر کے لاہور تشریف لے آئے۔ چنانچہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد بھارت سے قبلہ عالم حضرت مولانا شاہ علی حسین شاہ صاحب قدس سرہٗ تشریف لے آئے۔ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے۔ ان کے علاوہ شیر بیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں صاحب۔ اور والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا سید محمد شاہ صاحب سیالکوٹی اور مولانا شیر نواب صاحب قصوری اور دیگر کئی علماء اہلسنت لاہور پہنچ گئے۔ دیوبندی حضرات کے مولوی ابو الوفا صاحب شاہجہان پوری۔ اور مولوی احمد علی صاحب شیرانوالہ گیٹ اور دیگر ایک دو مولوی پہنچ گئے۔

مناظرہ کے لیے مسجد وزیر خاں کا انتخاب ہوا۔ اور صحن مسجد کے وسط میں ایک رسی باندھی گئی۔ جس نے مسجد کے اندرونی حصہ سے باہر کے دروازے تک دو حصے کر دیئے تھے۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی یہ طویل رسی نظر آتی تھی۔ دائیں طرف کے حصہ میں علماء اہلسنت کا اسٹیج تھا۔ اور بائیں جانب علماء دیوبند کا۔ مسجد کا اندرونی حصہ۔ صحن اور مسجد کے سارے چھت سب حاضرین سے بھرے ہوئے تھے۔ اہل سنت کے اسٹیج کے اوپر ایک بلند منبر رکھا گیا تھا۔ جس پر حضرت مولانا سید علی حسین صاحب تشریف فرما تھے۔ اور دیگر علماء اہلسنت اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ حضرت قبلہ عالم سید علی حسین شاہ صاحب حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ اور بڑے جدو جیہہ تھے۔ سفید و نورانی چہرہ اور سفید ریش سبز جبہ۔ اور سر پر عمامہ غوثیہ۔ سبحان اللہ! صرف اس ایک ہستی سے بھی سارے اجتماع میں رونق و بہار نظر آ رہی تھی۔ ان کے علاوہ حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں کا نورانی چہرہ بھی زائرین کی آنکھوں اور دلوں کو منور کر رہا تھا۔ والدی المعظم فقیہ اعظم

علیہ الرحمۃ کی بھی نورانی صورت نگاہوں کا مرکز تھی۔ اور اسی طرح دیگر علماء اہلسنت کے نورانی چہروں کی زیارت سے بھی ہر مسلمان مسرور و شاداں تھا۔ برعکس اس کے دوسری طرف علماء دیوبند کھدر کے کپڑوں میں ملبوس اور سر پر کھرل نما کانگرسی ٹوپیاں پہنے تشریف فرما تھے۔ میں اس اجتماع میں صحن مسجد میں بیٹھا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک طرف تو مقبولان حق کی وہ پیاری و نورانی شکلیں کہ حدیث نبوی کے مطابق اِذَارُؤُ اُذکِرَ اللّٰہ جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔"
اور دوسری طرف وہ کانگرسی صورتیں کہ انہیں دیکھ کر گاندھی و نہرو یاد آجائیں۔
میں نے دیکھا کہ سارا مجمع مناظرہ سے پہلے ہی اسی ایک فرق کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر رہا تھا۔ کہ حق اُس طرف ہو ہی نہیں سکتا۔ جس طرف گاندھویت و نہرویت کا مظاہرہ ہے۔ چنانچہ میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک شخص نے حضرت قبلہ عالم شاہ علی حسین صاحب کو سبز جبہ اور عمامہ غوثیہ سے آراستہ بلند منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر یہ کہا کہ بھئی! میرا دل تو مناظرہ ہونے سے پہلے ہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جس طرف یہ اللہ کا بندہ ہے حق بھی اسی طرف ہے۔

مناظرہ شروع ہونے سے پہلے دیوبندی حضرات سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ مولوی اشرف علی صاحب کو پیش کیجئے۔ اور اگر وہ نہیں آسکے۔ تو حسب وعدہ ان کا کوئی وکیل سامنے لایئے۔ اس پر مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری اُٹھے۔ اور جیب سے ایک کاغذ نکال کر بولے۔ کہ یہ مولانا تھانوی کی تحریر ہے۔ پڑھنے کا مطالبہ کیا گیا۔ تو پڑھنے لگے۔ لکھا یہ تھا،

"کہ میں مولوی ابوالوفا صاحب کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ لاہور میں جاکر مسلمانوں کے افہام و تفہیم کی کوشش کریں۔"

ہماری طرف سے کہا گیا کہ یہ تو وعظ گوئی کی اجازت ہے۔ وکالت نامہ تو نہیں

ہے۔ وکالت نامہ کی عبارت تو کچھ ایسی ہونی چاہیئے تھی۔
کہ میری حفظ الایمان کی عبارت جس کو اس مناظرہ کا موضوع قرار دیا گیا ہے
اسے غیر کفریہ ثابت کرنے کے لیے میں مولوی ابو الوفا کو اپنا وکیل مقرر کرکے
لاہور بھیجتا ہوں۔ یہ میری طرف سے مناظرہ میں گفتگو کریں گے۔ ان
کی فتح میری فتح اور ان کی شکست میری شکست ہوگی"۔

حقیقت یہی ہے۔ کہ وکالت نامہ اسی قسم کا درکار تھا۔ مگر وہ تو دفع الوقتی کے لیے ایک عبارت لکھ دی گئی تھی۔ اتنے میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو غیر مقلدین کے مشہور پیشوا تھے۔ اس مناظرے میں آدھمکے۔ اور "کبوتر با کبوتر باز با باز" کے مطابق سیدھے دیوبندیوں کے اسٹیج پر جا پہنچے۔ دیوبندی مولوی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور صاحب صدر نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی جگہ بٹھا دیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر سارے مجمع نے یہ حقیقت سمجھ لی۔ کہ دیوبندی اور غیر مقلدین دونوں ایک ہی ہیں۔ برائے نام فرق ہے۔ درحقیقت عقائد ان کے ایک ہیں۔ دونوں ہی وہابی ہیں۔
مولوی ثناء اللہ صاحب دیوبندیوں کے اسٹیج پر پہنچتے ہی علماء اہلسنّت کو مخاطب کرکے بولے۔ کہ تم آپس میں مناظرہ پھر کر لینا۔ پہلے مجھ سے مسئلہ تقلید پر مناظرہ کر لو۔ اس چیلنج پر ہماری طرف سے کہا گیا۔ کہ لوگو دیکھ لو۔ مسئلہ تقلید پر مناظرہ کا چیلنج دیوبندیوں کے اسٹیج سے دیا جا رہا ہے۔ اسے ہم منظور کرتے ہیں۔ اور منظور بھی ہمیں نے کرنا ہے۔ دیوبندیوں میں تو اتنی بھی جرأت نہیں۔ کہ مولوی ثناء اللہ کو اس حرکت سے روکیں۔

مولوی ثناء اللہ کی اس بیجا مداخلت اور دیوبندی حضرات کی بے اصولانہ حرکتوں سے سارے مجمع میں شور مچ گیا۔ اور پولیس نے اندیشہ نقص امن کے پیش نظر مناظرہ روک دیا۔ مناظرہ تو نہ ہوا۔ مگر سارے لاہور پر دیوبندیوں کی حقیقت آشکار

ہو گئی۔

سبق

مولوی اشرف علی صاحب اگر اس مناظرہ میں خود آجاتے یا کسی اپنے وکیل کو بھیج دیتے۔ اور حفظ الایمان کی عبارت پر بات ہو جاتی۔ تو یقیناً کوئی ایسی صورت نکل آتی۔ جس سے اس عبارت سے متعلق نزاع ختم ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ مولوی صاحب اور ان کے معتقدین نے حسن نیت اور خلوص کا ثبوت نہ دیا۔ حالانکہ مولوی صاحب کی عبارت جسے علماء اہلسنّت کفریہ کہتے ہیں۔ اسے اسلامی ثابت کرنے کے لیئے یہ سنہری موقع تھا۔ جو دیوبندی حضرت نے ہاتھ سے گنوا دیا۔ تعجب ہے۔ کہ اتنے اہم امر کو کس بے نیازی سے نظر انداز کر دیا گیا؟ حالانکہ ایک مسلمان پر توہین رسالت کے الزام سے بدتر الزام اور کوئی ہے نہیں۔ اور اسے اس وقت تک چین نہیں آتا۔ جب تک وہ اس الزام سے اپنی بریت کو ثابت نہ کر لے۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ دیوبندی حضرات بظاہر تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے مقلدین بنتے ہیں۔ مگر درحقیقت ان کا پیار غیر مقلدین ہی سے ہے۔ اس لیے کہ عقائد جو غیر مقلدین کے ہیں۔ وہی ان کے بھی ہیں۔ وہ بھی بات بات پر مسلمانوں کو بدعتی و مشرک بناتے ہیں اور یہ بھی یہی وجہ ہے۔ کہ غیر مقلدین کے سردار اس مناظرہ میں آئے۔ تو سیدھے اپنے ہم مسلک سٹیج پر پہنچے۔

کہتے ہیں۔ کسی شخص نے ایک جگہ ایک کبوتر اور ایک کوّے کو اکٹھے دانہ چگتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے سوچا۔ کہ سنتے تو یہ رہے ہیں "کبوتر با کبوتر باز با باز" مگر یہاں کبوتر با زاغ "ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اسی خیال میں آگے بڑھ کر اس نے غور سے جو دیکھا۔ تو کبوتر اور کوا دونوں ایک ایک ٹانگ سے محروم اور لنگڑے تھے۔ اب اسے معلوم ہوا۔ کہ قدر مشترک ان دونوں میں یہ لنگڑا پن ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین اور دیوبندی حضرات میں قدر مشترک دینی لنگڑا پن ہے۔ توحید کی ٹانگ ہے۔ مگر تعظیم رسالت کی نہیں ؎

راز ان کے کھلے جاتے ہیں ایک ایک سبھوں پر
اور اس پہ تماشا ہے کہ ہیں کچھ نہیں کہنا

حکایت نمبر ۳۲

کوٹلی لوہاراں کا ایک تاریخی جمعہ

صدر ایوب کا دور تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ رات کے نو بجے میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا۔ صوفی عزیز احمد صاحب میرے پاس آئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور صاحب اور ان کے بعد دوسرے پھر تیسرے اور اسی طرح کئی احباب دفتر میں جمع ہو گئے۔ میں حیران تھا۔ کہ کیا بات ہوگئی؟ اتنے میں صوفی عزیز احمد صاحب بولے۔ کہ آپ نے کچھ سنا؟۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ کیا بات ہے؟۔ کہنے لگے۔ جموں ریڈیو اسٹیشن سے فرمائشی پروگرام میں آپ کے نام سے ایک فحش اور عریاں فلمی گانا نشر ہوا ہے۔ اناؤنسر نے پہلے آپ کا نام لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ مولانا محمد بشیر صاحب خطیب جامع مسجد اہلسنت کوٹلی لوہاراں کی فرمائش ہے۔ کہ فلاں فلمی گانا سنایا جائے۔ پھر وہ گانا نشر ہوا۔ جو بڑا فحش اور عریاں قسم کا گانا ہے۔

جس جس نے بھی میرے نام کے اعلان کے ساتھ یہ گانا سنا۔ وہ حیران رہ گیا۔ اور میرے پاس آ پہنچا۔ یہ رات جمعرات کی تھی۔ صبح روز جمعہ کا تھا۔ صوفی عزیز احمد صاحب نے کہا۔ یہ وہابیوں کی شرارت ہے۔ اس کا تدارک ضروری ہے، کل جمعہ میں

آپ اشرار کی اس شرارت اور اس واقعہ سے اپنی بریت کا اعلان کر دیں۔ اس لیے کہ یہ بات جس جس نے بھی سُنی ہے۔ وہ غلط فہمی میں پڑ گیا ہے۔ آپ کے اعلان سے اصل حقیقت کا سب کو علم ہو جائے گا۔

پھر دوسرے احباب کی رائے سے یہ بات طے ہوئی۔ کہ کل صبح ہی چوکی پولیس کے انچارج صاحب سے ملا جائے۔ اور یہ سارا واقعہ ان سے بیان کر کے ان سے کہا جائے۔ کہ وہ اس شرارت کا کھوج نکالیں۔ اور جس نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے باز پرس کی جائے۔

ہمارے قصبہ میں خدا کے فضل سے اہلسنت وجماعت کی اکثریت ہے۔ کچھ لوگ غیر مقلدین ہیں۔ جو اہلحدیث کہلاتے ہیں۔ دیوبندی کوئی نہیں غیر مقلدین کی تعداد کم ہے۔ مگر ان کا شور زیادہ ہے۔ چوکی پولیس کے انچارج صاحب بھی قصبہ کے اس شور سے واقف تھے۔ صبح ہوئی۔ تو صوفی عزیز احمد چند دوسرے احباب کے ساتھ چوکی پولیس پہنچے۔ اور ملک صاحب سے ملے۔ اس وقت جو انچارج تھے۔ ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ہاں وہ ملک صاحب کہلاتے تھے بڑے دلیر اور فرض شناس انچارج تھے۔ ملک صاحب نے سارا واقعہ سن کر ایک بڑا پُر لطف اور مزاحیہ جملہ کہا۔ کہنے لگے۔

مولوی صاحب کے نام سے ایک فحش فلمی گانے کا نشر کرنا بالکل ایسا ہے۔ جیسے یہ اعلان نشر کیا جائے۔ کہ "فلاں تھانیدار صاحب حج کو جا رہے ہیں" گویا جیسے کسی تھانیدار کا حج کو جانا انہونی بات ہے۔ ایسے ہی مولوی صاحب کا کوئی فلمی گانا سننے کا شوق بھی انہونی بات ہے۔

ملک صاحب نے مجھے بھی بلالیا۔ میں گیا۔ تو اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ اور مجھ سے وعدہ کیا۔ کہ میں آج ہی اور ابھی اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرتا

ہوں ۔ آپ تشریف رکھیں ۔ میں اہلحدیث حضرات کے سرکردہ افراد کو بلاتا ہوں ۔ اور ان سے پوچھتا ہوں ۔ چنانچہ انہوں نے ایک سپاہی بھیجا جو اہلحدیث کے سرکردہ افراد کو بلالایا ۔ میرے بیٹھے بیٹھے ہی ان کے تین افراد آگئے ۔ اس عرصہ میں سارے قصبہ میں یہ بات پھیل گئی ۔ کہ رات کے واقعہ کی بات تھانہ تک جا پہنچی ہے ۔ مولوی صاحب وہیں ہیں اور ملک صاحب نے اہلحدیثوں کو بھی بلالیا ہے ۔ صبح کا وقت تھا ۔ ملک صاحب کی رہائش جس مکان میں تھی ۔ ہم انہیں اسی مکان میں ملے تھے ۔ اور ملک صاحب نے اپنے مکان ہی میں مجھے اور اہلحدیث حضرات کو بلایا تھا ۔ لوگوں کو اس بات کا علم ہوا ۔ تو بالتدریج وہ اس مکان تک پہونچنے لگے ۔ ملک صاحب نے مکان کا دروازہ بند کر دیا ۔ صوفی عزیز احمد میں اور چند احباب اور ۔ اور اہلحدیث حضرات کے تین افراد مکان کے اندر تھے ۔ اور لوگوں کا ہجوم مکان سے باہر تھا ۔ اور اس بات کا منتظر کہ دیکھیں اندر کیا فیصلہ ہوتا ہے ۔

ملک صاحب نے انجمن اہلحدیث کے سیکرٹری سے کہا ۔ کہ رات کو یہ واقعہ ہوا ہے جس سے قصبہ میں ایک ہیجان پیدا ہو چکا ہے ۔ ہمارا خیال ہے ۔ کہ یہ شرارت آپ میں سے کسی نے کی ہے ۔ مہربانی کیجئے ۔ اور مجھ سے تعاون کرتے ہوئے اس شریر کی نشاندہی کیجئے ۔ سیکرٹری صاحب بڑے ہشیار و چالاک اور اپنے آپ کو بڑا سیاسی آدمی سمجھتے تھے ۔ جوش میں آگئے ۔ اور ملک صاحب سے کہنے لگے ۔ آپ ہماری توہین کر رہے ہیں ۔ ہمیں کوئی علم نہیں ۔ کہ یہ شرارت کس نے کی ہے ۔ ہو سکتا ہے ۔ خود ان ہی کے کسی آدمی نے یہ حرکت کی ہو ۔ تاکہ نام ہمارا لگ جائے ۔ آپنے ہمیں ناحق بلایا ہے ۔ میں یہ ہوں ۔ وُہ ہُوں ۔ میں آئی جی کے پاس پہنچوں گا ۔ اور آپ کے خلاف ایکشن لوں گا ۔ ملک صاحب نے اس کی یہ باتیں سُنیں ۔ تو وہ بھی جوش میں آگئے ۔ اور اپنے ایک سپاہی سے کہنے لگے ۔ جوکی جاؤ ۔ اور ہتھکڑیاں لے آؤ ۔ اور پھر کسی دفعہ کا ذکر کر کے کہنے لگے ۔

میں اس دفعہ کے مطابق ابھی آپ کو ہتھکڑی لگاتا ہوں۔ بعد میں آئی جی کے پاس چلے جانا۔ سپاہی گیا۔ اور ہتھکڑیاں لے آیا۔ سیکرٹری صاحب نے جب دیکھا کہ ہتھکڑیاں واقعی آگئی ہیں۔ تو اپنی ساری چوکڑی بھول گئے۔ اور صوفی عزیز احمد صاحب کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ کہ ملک صاحب کو ٹھنڈا کرو۔ اور مجھے معافی لے دو۔ صوفی صاحب نے ملک صاحب سے کہا۔ ملک صاحب! جانے دیجئے۔ سیکرٹری صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ محض وقتی طور پر جوش میں آکر وہ کہہ گئے ہیں۔ اور اب وہ معذرت خواہ ہیں۔ ملک صاحب بڑی مشکل سے مانے۔ اور پھر ان کی طرف مخاطب ہوئے۔ کہ میں نے تو اس ایک نئے قضیہ کے سدّباب کے لیے آپ کو بلایا تھا۔ آپ کا فرض تھا آپ مجھ سے تعاون کرتے۔ نہ کہ مجھے دھمکیاں دینے پر اُتر آتے۔ سیکرٹری صاحب نے بھی اب نرمی اختیار کرلی۔ اور کہا۔ صاحب! ہم اس شریر کا پتہ چلائیں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی ہوا۔ تو ہم اسے یہاں لے آئیں گے۔ مولوی صاحب تو ہمارے بھی بزرگ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ ان پر کوئی حرف آئے۔ ہمارا یقین ہے۔ کہ اتحاد و اتفاق میں برکت ہے۔ اس لیے ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ قصبہ کی فضا مکدّر نہ ہو۔ اور یہاں سارے مسلمان متحد ہو کر رہیں۔

ملک صاحب نے ان کی یہ اتحاد پرور تقریر سُن کر کہا۔ اگر یہی آپ کے جذبات تو پھر اس قصبہ میں آپ لوگ جمعہ کی نماز الگ الگ کیوں پڑھتے ہیں۔ کیوں نہیں ایک ہی جگہ مولوی صاحب کے ساتھ پڑھتے۔ سیکرٹری صاحب اور دوسرے دونوں نے بھی کہا۔ ہم تیار ہیں۔ جہاں آپ کہیں ہم جمعہ وہیں پڑھنے کو تیار ہیں۔ ملک صاحب میری طرف مخاطب ہوئے۔ اور پوچھا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ قصبہ کی پرانی جامع مسجد ہی ہے۔ جس میں مَیں جمعہ پڑھاتا ہوں۔ سارا قصبہ اور گرد و نواح کے اکثر مسلمان یہیں آتے اور جمعہ پڑھتے ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے۔

کہ اہلحدیث حضرات بھی اسی مسجد میں آکر جمعہ پڑھا کریں۔ ملک صاحب خوش ہوکر ہم سب سے کہنے لگے۔ تو اتفاقاً جمعہ بھی آج ہی ہے۔ میں اپنی طرف سے ڈھنڈی پٹواتا ہوں کہ آج سے جمعہ کی نماز تمام مسلمان اہلسنت ہوں یا اہلحدیث بڑی جامع مسجد میں پڑھا کریں گے۔ اور آج سے جمعہ کے لیے اہلحدیث جامع مسجد بند ہوگی۔ اور جمعہ کی نماز صرف جامع مسجد اہلسنّت میں ہوا کرے گی۔" لاؤ بھئی قلم دوات اور کاغذ" ایک سپاہی سے مخاطب ہوکر ملک صاحب نے کہا۔" تاکہ فریقین کا تحریری معاہدہ ہوجائے۔

بات یہاں تک پہنچ گئی۔ تو سیکرٹری صاحب نے کہا۔ ملک صاحب! ذرا ٹھہریئے ہماری جماعت کے بزرگ اور صدر انجمن حاجی عبدالغنی صاحب کو بھی بلا لیجئے۔ اور ان سے بھی یہ بات طے کرلیجئے۔ پھر جو کچھ لکھنا ہے لکھیئے۔ چنانچہ ملک صاحب نے سپاہی بھیجکر حاجی صاحب کو بھی بلا لیا۔ اس وقت ملک صاحب کے مکان کے باہر ایک ہجوم کھڑا تھا۔ حاجی صاحب جب آئے۔ تو یہ نظارہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوگئے۔ اندر آئے۔ تو یہ معلوم کرکے کہ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ آج سے جمعہ صرف جامع مسجد اہلسنّت میں پڑھا جایا کرے گا۔ مزید پریشان ہوئے۔ ملک صاحب نے ان سے کہا۔ حاجی صاحب! بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہ آپ کے یہ تینوں اہلحدیث افراد اور مولوی صاحب بھی آج سے جمعہ ایک ہی جگہ پڑھنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ میں بہت خوش ہوں۔ کہ میرے ہاتھوں سے یہ ایک نیک کام شروع ہونے لگا ہے۔ میں فریقین کا ایک معاہدہ تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ اتحاد برقرار رہے۔ حاجی صاحب بڑی آہستگی سے بولے۔ مگر ملک صاحب! ہم نے تو اپنا خطیب ماہانہ مشاہرہ پر ضلع شیخوپورہ سے بلا رکھا ہے۔ اسے معقول تنخواہ دیتے ہیں۔ ہمارا جمعہ تو وہ پڑھاتے ہیں۔ جمعہ اگر ایک ہی جگہ پڑھا گیا۔ تو وہ کیا کریں گے۔

ملک صاحب نے کہا۔ کہ وہ بھی جمعہ بڑی جامع مسجد میں پڑھیں گے۔ حاجی صاحب بولے تو پھر ایسا ہوگا۔ کہ ہمارے مولوی صاحب بھی وہاں تقریر کریں گے۔ ملک صاحب نے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ ایسا کر لیجئے۔ ایک جمعہ تقریر میں کریں۔ دوسرے جمعہ تقریر وہ کریں۔ مجھے منظور ہے۔ حاجی صاحب نے کہا۔ اور ہمارے مولوی صاحب وہاں امامت بھی کرائیں گے۔ میں نے کہا۔ یہ بات غلط ہے۔ اس لیے کہ قانون یہ ہے۔ کہ جس ملک میں جس قوم کی اکثریت ہو۔ وزیر اعظم اس قوم سے بنتا ہے۔ اس اصول کے مطابق ہمارے قصبہ میں چونکہ اکثریت اہلسنت کی ہے۔ اس لیے امام تو صرف میں ہی رہونگا۔ ہاں تقریر کے لیے ایک جمعہ چھوڑ کر دوسرے جمعہ انہیں وقت مل سکتا ہے۔

حاجی صاحب بولے۔ اور اگر کسی جمعہ کو آپ کہیں باہر گئے ہوں تو؟ میں نے کہا۔ تو جس کو میں امامت کے لیے نامزد کر جاؤں۔ وہ جمعہ پڑھائے گا۔

ملک صاحب نے میری ان باتوں کی تائید کی۔

حاجی صاحب نے پھر کہا۔ آپ جمعہ بڑی دیر سے پڑھتے ہیں۔ اور ہم جلدی پڑھا کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ہم بھی آج جمعہ جلدی پڑھ لیں گے۔ پھر بولے۔ ہم آمین اونچی آواز سے کہتے ہیں۔ میں نے کہا شوق سے کہیئے۔ پھر کہا۔ آپ نماز کے بعد سلام پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا ہم آپ کے چلے جانے کے بعد سلام پڑھیں گے۔

حاجی صاحب کا مقصد یہ تھا۔ کہ کوئی صورت ایسی نکل آئے۔ جس سے انہیں جامع مسجد اہلسنّت میں نہ آنا پڑے۔ اور میری مرضی یہ تھی۔ کہ کسی طرح یہ ایک بار ہماری مسجد میں آجائیں۔ چنانچہ حاجی صاحب کی جب ہر بات میں نے مان لی۔ تو ملک صاحب نے کاغذ اٹھایا۔ اور معاہدہ لکھا جانے لگا۔ معاہدہ میں لکھا گیا۔ کہ قصبہ کوٹلی لوہاراں کے اہلسنّت اور اہلحدیث دونوں فریق اس امر پر متفق ہیں۔ اور اس بات کا عہد کرتے ہیں

کہ آج سے نماز جمعہ صرف جامع مسجد اہلسنت میں ہوا کرے گی۔ اور دونوں فریق اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کیا کریں گے۔ اور امامت کے فرائض مولوی محمد بشیر صاحب خطیب جامع مسجد اہلسنت ادا کیا کریں گے۔ اور تقریر ایک جمعہ کو مولوی محمد بشیر صاحب اہلسنت اور دوسرے جمعہ کو مولوی عبدالرحمٰن اہلحدیث کیا کریں گے۔

اس موقعہ پر میں نے ملک صاحب سے کہا۔ کہ اس معاہدہ کے مطابق آج اس پہلے جمعہ میں امامت تو میں کراؤں گا ہی۔ تقریر بھی میں ہی کروں گا۔ تاکہ اپنے ان نئے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ سکوں۔ آئندہ جمعہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب تقریر کرلیں گے۔ ملک صاحب نے کہا۔ بالکل ٹھیک ہے۔

معاہدہ پر ہمارے اور اہلحدیث حضرات کے دستخط ہو گئے۔ تو ملک صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اور سب کو مبارکباد دی۔ اور پھر اسی وقت ایک سپاہی سے کہا۔ کہ وہ ڈھنڈورچی سے جا کر کہے۔ کہ وہ سارے قصبہ میں میری طرف سے اعلان کر دے کہ آج جمعہ کی نماز صرف بڑی جامع مسجد اہلسنت میں ہو گی۔ اور اہلسنت و اہلحدیث سب اسی مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ڈھنڈورچی نے سارے قصبہ میں یہ اعلان کر دیا۔ پھر ملک صاحب نے ایک سپاہی کو تالا دیا۔ اور کہا یہ تالا لے جاؤ۔ اور جامع مسجد اہلحدیث کو لگا آؤ۔ تاکہ پتہ چلے۔ کہ آج جمعہ اس مسجد میں نہیں ہو گا۔ چنانچہ سپاہی گیا۔ اور اس مسجد کو مقفل کر آیا۔

یہ خبر آگ کی طرح سارے قصبہ میں پھیل گئی۔ حتیٰ کہ گرد و نواح کے دیہات میں بھی جا پہنچی۔ میرا دفتر احباب سے بھر گیا۔ جو بھی یہ خبر سنتا۔ تصدیق کے لیے میرے پاس پہنچتا۔ گھر میں عورتوں کا تانتا بندھ گیا۔ الغرض مرد و عورتوں میں اس ایک انہونی بات نے عجیب قسم کا جوش پیدا کر دیا۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے اسی موضوع پر گفتگو کرتا نظر آنے لگا۔ اور سب اس خبر پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ بعض ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

کہ کیا واقعی ایسا ہو گیا؟ نوجوانانِ اہلسنت بازاروں میں نعرہ ہائے تکبیر و رسالت لگا رہے تھے۔ کچھ نوجوان شہر سیالکوٹ جاکر اہلحدیث مہمانوں کے لیے ہار لے کر آگئے۔

جمعہ کی اذان ہوئی۔ اور لوگوں نے مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ یہ خبر سن کر دیہات سے بھی اور سیالکوٹ سے بھی بہت سے لوگ آگئے۔ سبحان اللہ اس روز جمعہ کی رونق ایک تاریخی رونق تھی۔ اور کوٹلی لوہاراں کا وہ جمعہ ایک تاریخی جمعہ تھا۔ مسجد کے باہر بھی صفیں بچھ گئیں۔ عورتیں چھتوں پر اپنی نظریں مسجد پر جمائے بیٹھی تھیں۔ ملک صاحب بھی اپنے عملے سمیت آگئے۔ اور پھر ایک ایک دو دو کر کے اہلحدیث حضرات بھی آنے لگے۔ جو صاحب بھی تشریف لاتے۔ ہمارے نوجوان ان کے گلے میں ہار پہنا دیتے۔ اور پھر مولوی عبدالرحمٰن صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث بھی تشریف لے آئے۔ نوجوانوں نے ہار پہنائے اور نعرے لگائے۔ الغرض حسب معاہدہ سب اہلحدیث حضرات اپنے امام و خطیب سمیت مسجد میں آگئے۔ اور میں نے تقریر شروع کی۔ ملک صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ جہاد اور اتحاد پر تقریر کرتا رہا۔ اور پھر خطبہ پڑھا۔ اور جماعت ہوئی۔ ہماری مسجد میں اس روز پہلی مرتبہ میرے ولا الضالین کہنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اونچی آواز سے بلکہ بیحد اونچی آواز سے آمین کہی گئی۔ جماعت ہو چکی۔ تو ان حضرات نے مسجد سے جلدی نکلنے کی کی۔ اور پھر جو سننے میں آیا۔ وہ یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب اپنے مقتدیوں سے جھگڑنے لگے۔ کہ تم نے یہ کیا کیا؟ مجھے یہاں بلایا تھا۔ اس لیے کہ تم میرے پیچھے نماز پڑھو۔ یا اس لیے کہ ایک مشرک کے پیچھے میں نماز پڑھوں۔ مقتدیوں نے عرض کیا۔ جناب! یہ اس وقت آپ کا غصہ میں آنا بیکار ہے جب ہم سب نماز پڑھنے چلے تھے۔ اس وقت اگر آپ اڑ جاتے۔ تو کوئی بات بھی تھی۔ ممکن ہے ہم بھی نہ جاتے۔ مگر اب جبکہ آپ خاموشی کے ساتھ گئے بھی۔ نماز بھی پڑھ لی۔ اب اس غصہ کا کیا فائدہ۔

اُدھر تو مولوی صاحب اپنے مقتدیوں پر بگڑ رہے تھے۔ اور ادھر میرے مقتدی مجھے مبارکبادیاں دے رہے تھے۔ اس کے بعد اہلحدیث حضرات خود ملک صاحب کے پاس پہنچے۔ اور اس معاہدہ کو توڑنے کے لیے کوئی بہانہ تلاش کرنے لگے۔ اور ملک صاحب سے کہا۔ کہ آپ مولوی بشیر کو اس امر پہ آمادہ کریں۔ کہ اگلے جمعہ تقریر ہمارے مولوی صاحب کی ہوگی۔ اور امامت بھی وہی کرائیں گے۔ دیکھیئے ہم نے ہر بات مان لی ہے۔ تو یہ ہماری ایک بات وہ کیوں نہیں مان لیتے۔ ملک صاحب میرے پاس دفتر میں آئے۔ اور یہ بات انہوں نے مجھ سے کہی۔ میں نے ان سے کہا ملک صاحب! یہ بات تو کسی صورت ممکن نہیں۔ کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھوں۔ ان کی ہمارے پیچھے ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ انہوں نے پڑھی۔ اور ہماری ان کے پیچھے ہوتی ہی نہیں۔ ملک صاحب کہنے لگے۔ اگر آپ اپنی بات پہ اڑے رہے۔ تو وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں گے۔ میں نے کہا۔ توڑتے ہیں۔ تو توڑ دیں۔ میں ہرگز ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔ معاہدہ توڑنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی مجھ پہ نہیں۔

پھر دوسرے روز صوفی عزیز احمد صاحب نے آکر بتایا۔ کہ وہ معاہدہ پہ قائم نہیں رہے۔ اور وہ ملک صاحب سے کہہ رہے ہیں۔ کہ آئندہ جمعہ ہم اپنی مسجد میں پڑھیں گے۔

اور یہ حقیقت ہے۔ کہ میں خود بھی دُعا کر رہا تھا۔ الٰہی! جو کچھ ہو گیا خوب ہوا۔ اپنا فضل فرما۔ اور آئندہ انہیں وہیں رکھ۔

اس ہنگامہ میں میرے نام سے فلمی گانا نشر کرنے والے کی طرف دھیان ہی نہ رہا۔ اور نہ ہی پھر ہم اس کے درپے ہوئے۔ اس لیے کہ یہ شرارت ہمارے لیے بڑی مفید رہی۔ اور ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی۔ جس سے مخالفین کو بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

(نوٹ) میری یہ تحریر حقائق کے مطابق ہے۔ ایک لفظ بھی خلاف حقیقت نہیں ہر شخص کوٹلی کے باشندوں اور گردونواح کے دیہاتی باشندوں سے اس واقعہ کی تصدیق کر سکتا ہے۔ میری یہ تحریر کوٹلی کے اہلحدیث حضرات بھی پڑھیں گے۔ اگر کوئی بات خلاف حقیقت ہے تو وہی بتا دیں۔ انشاء اللہ العزیز کسی میں بھی یہ جرأت پیدا نہ ہو سکے گی کہ اس حقیقت کو جھٹلا سکے۔

سبق

خدا تعالیٰ فرماتا ہے، عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ یعنی بعض ایسی باتیں جو تمہیں بری لگیں وہ تمہارے لیے اچھی ہوتی ہیں۔" اس ارشاد کیمطابق میرے نام سے فلمی گانے کی فرمائش ہمارے لیے بظاہر بری بات تھی، مگر دیکھئے اس کا نتیجہ ہمارے لیے کس طرح اچھا بن کر سامنے آیا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب یہ کہتے ہوئے کوٹلی آئے تھے۔ کہ مولوی بشیر نے کوٹلی میں جو شرک پھیلا رکھا ہے۔ میں اس کا قلع قمع کر دونگا مگر ہوا کیا؛ اسی مولوی بشیر کے پیچھے جو ان کی نظر میں مشرک تھا۔ انہیں نماز پڑھنا پڑی۔ اور پھر یہ بھی انہیں کہنا پڑا۔ کہ میں یہاں نہیں رہونگا۔ چنانچہ وہ اپنے مقتدیوں سمیت اگر میرے پیچھے نماز پڑھ کر اور مقتدیوں کو پڑھا کر چلے گئے۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کا ہو جانا ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مولانا محمد یوسف سیالکوٹی علیہ الرحمۃ مجھ سے ملے۔ تو اس واقعہ پر مجھے مبارکباد دی۔ اور مزاحیہ انداز میں فرمایا۔ "تم نے تو وہ کام کر دکھایا ہے جو تمہارے باپ سے بھی نہ ہو سکا تھا۔" واقعی یہ صورت تو والد ماجد علیہ الرحمۃ کے دور میں بھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ سچ ہے ؏

خدا شرّے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد

حکایت نمبر ۳۴

ٹیپ ریکارڈ میں میری پہلی تقریر

یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جبکہ یہ سُننے میں آتا تھا۔ کہ ایک مشین ایجاد ہُوئی ہے۔ جسے ٹیپ ریکارڈ کہتے ہیں۔ اس میں جو بات کرو۔ بھری جاتی ہے۔ اور پھر اسے سُنا بھی جاتا ہے۔ پاکستان میں کسی کے پاس ہو گی۔ مگر ہمارے قصبہ کے کسی فرد نے اسے دیکھا نہ تھا۔ ہمارے کوٹلی کے ایک معزز فرد جناب محمد حسین صاحب جرمنی گئے۔ اور وہاں سے ایک ٹیپ ریکارڈ ساتھ لے آئے۔ ہماری مسجد میں ایک رات محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوا۔ تو جناب محمد حسین صاحب ٹیپ ریکارڈ لے آئے۔ اور میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے اپنی تقریر شروع کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے۔ تقریر ختم ہوئی۔ تو محمد حسین صاحب نے اعلان کیا۔ کہ مولوی صاحب نے جو تقریر کی ہے۔ اب وہی تقریر یہ مشین سنائے گی۔ حاضرین نے یہ اعلان بڑے تعجب سے سُنا۔ جناب محمد حسین صاحب نے مشین کا بٹن دبایا۔ تو سارا مجمع حیران رہ گیا۔ میری وہی تقریر جو میں سُنا چکا تھا۔ پھر سے شروع ہو گئی۔ عمر بھر میں پہلی مرتبہ میں نے اس روز اپنی تقریر سُنی۔ اور حیران رہ گیا۔

چونکہ کوٹلی میں یہ ایک نئی بات تھی۔ اس لیے دوسرے روز متعدد گھروں میں یہ مشین منگوائی گئی۔ اور میری تقریر سُنی گئی۔ آٹھ روز تک اس مشین کی بڑی چہل پہل رہی۔ آج اس گھر میں اور کل اس گھر میں میری تقریر ہو رہی ہے۔ اس نئی چیز کے شوق میں ان گھروں میں بھی میری تقریر ہو گئی۔ جن کے رہنے والوں کو میرے عقائد سے ازلی اختلاف تھا۔ یہ بھی عجیب نظارہ تھا۔ کہ سننے والے نہ نعت خوانی پر مائل۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف کے قائل۔ نہ قیام و سلام کے معترف اور سنانے والا نعت خوانی بھی کر رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات علم و اختیارات بھی بیان کر رہا ہے۔ اور پھر قیام بھی کر رہا ہے اور سلام بھی پڑھا رہا ہے۔ ذکرِ حبیب کا یہ کمال دیکھ لیا۔ کہ منکروں کے گھروں میں بھی تشریف لے گیا۔

سبق

واقعی ذکرِ حبیب کا ایک کمال یہ بھی ہے۔ کہ وہ مخالف کے ہاں بھی پہنچ جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ وہ اس سے مستفید نہ ہو سکے۔ بارش کا قطرہ پتھر بھی پڑ ہی جاتا ہے۔ اگرچہ پتھر اس سے مستفید نہیں ہو سکتا اور بجائے اس کے کہ زرخیز زمین کی طرح اس قطرے کو اپنے دل میں جگہ دے کر رنگا رنگ کے پھولوں سے بہرہ ور ہو۔ اس قطرے کو فوراً اِدھر اُدھر پھینک کر ویسے کا ویسا ہی خشک رہ جاتا ہے۔

گکھڑ ضلع گوجرانوالہ کے احباب نے ایک ایسے شخص کا قصہ سنایا۔ جو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت سمجھتا تھا۔ اخبار بینی کا اسے بڑا شوق تھا۔ ہر روز سب سے پہلا کام اس کا اخبار خریدنا تھا۔ ایک سال جبکہ عید میلاد النبی منائی جا رہی تھی۔ اس عید سعید کے روز جو اخبارات آئے۔ ان سب پر عید میلاد النبی نمبر لکھا تھا اس شخص نے حسبِ معمول اس روز بھی اخبار خریدنا چاہا۔ تو ایک اخبار پر عید میلاد النبی نمبر پڑھ کر وہ اخبار واپس کر دیا۔ اور دوسرا اخبار مانگا۔ دوسرے اخبار پہ بھی یہی جملہ لکھا دیکھا۔ پھر تیسرا اخبار مانگا۔ اس پر بھی یہی جملہ لکھا تھا۔ پھر چوتھا پھر پانچواں مانگا۔ سب پر اسے یہی عید میلاد نمبر لکھا ہوا نظر آیا۔ ناچار اس نے اس دن یہ کہہ کر کہ چلو آج ریڈیو پر ہی خبریں سن لوں گا۔ اخبار خریدا ہی نہیں۔ جب گھر گیا۔ اور خبریں سننے کے لیے ریڈیو کا بٹن دبایا۔ تو اس میں بھی اسے آواز آئی۔ یا نبی سلام علیک۔ یا رسول سلام علیک۔ گویا وہاں بھی اسے وہی جلوہ نظر آیا۔ جس سے

بھاگ کر وہ گھر آیا تھا۔ گھبرا کر ریڈیو بھی بند کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ بدعت تو میرے پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔

کوئی کچھ کرتا پھرے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ یارسول اللہ

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش میں طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

حکایت نمبر ۳۵

مرزائی مولوی سے مناظرہ

ہمارے قصبہ سے جانب مشرق دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ جس کا نام ڈھیچٹی ہے۔ وہاں ایک گھر مرزائیوں کا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنا ایک مبلغ بلایا۔ جس کا نام مولوی محمد سلیم تھا۔ اور جو پنجاب یونیورسٹی کا سند یافتہ مولوی فاضل تھا۔ مرزائیوں نے بر لب سڑک ایک کھلے میدان میں اپنا جلسہ رکھا۔ جس میں مولوی سلیم نے مسلمان کو چیلنج دیا۔ کہ مجھ سے کوئی مناظرہ کرنا چاہے تو کرے۔ یہ بات اسی روز ہمارے قصبہ میں پہنچ گئی۔ میرا ابتدائی دور تھا۔ میں دارالعلوم حزب الاحناف میں زیر تعلیم تھا۔ اور اتفاقاً گھر آیا ہوا تھا۔ میں نے جب سنا۔ کہ ڈھیچٹی میں مرزائیوں کا جلسہ ہو رہا ہے۔ اور مرزائی مولوی نے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا ہے۔ تو میں نے کوٹلی کے مسلمانوں سے کہا۔ کہ چلو ڈھیچٹی چلیں۔ اور مرزائی مولوی سے مناظرہ کریں۔ قصبہ کے مسلمان تیار ہو گئے۔ میں نے حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ سے اجازت لی۔ اور مرزا غلام احمد کی صرف ایک کتاب درثمین ہاتھ

میں لی۔ اور مسلمانوں کے ایک ہجوم کے ساتھ ڈھیپئی چل پڑا۔ یہ بات سارے قصبہ میں پھیل گئی۔ ہمارے قصبہ کے غیر مقلدین بھی اپنے خطیب مولوی عبدالواحد کے ساتھ چل پڑے۔ میرے ساتھ ایک بہت بڑا ہجوم ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم ڈھیپئی پہنچ گئے۔ جلسہ ہو رہا تھا۔ اور مولوی سلیم بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی دوسرا بول رہا تھا۔ میں پہنچا تو دیکھا مرزائیوں کے جلسہ میں اتنے لوگ نہ تھے۔ جتنے میرے ساتھ تھے۔ اتنا بڑا ہجوم دیکھ کر مرزائی گھبرا گئے۔ ہم جلسہ گاہ میں مولوی سلیم کے اسٹیج کے بالمقابل دوسری جانب بیٹھ گئے۔ میرے وہاں پہنچنے کی خبر گرد و نواح میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور لوگ چاروں طرف سے وہاں پہنچنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں ایک عظیم اجتماع ہو گیا۔ میں نے بغیر کسی تمہید کے اُٹھ کر مولوی سلیم کو مخاطب کیا۔ اور کہا:

مولوی صاحب! آپ نے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا ہے۔ میں آگیا ہوں میں بتاؤں گا کہ مرزا صاحب جھوٹے تھے۔

مولوی سلیم نے میری طرف غور سے دیکھا۔ اور اُٹھ کر کہا:

میں تمہیں جانتا ہی نہیں۔ تم کون ہو؟ کتنے پانی میں ہو۔ پتہ تو چلے تم کون ہو؟ اور کیا ہو؟

میں نے جواب دیا:

میں حضرت مولانا محمد شریف صاحب محدث کوٹلی لوہاراں کا بیٹا ہوں۔ اور آج کل لاہور دارالعلوم حزب الاحناف میں پڑھ رہا ہوں، بفضل اللہ میں آپ کے ساتھ مناظرہ کر سکتا ہوں۔

مولوی سلیم کہنے لگا

مگر تم تو پڑھ ہی رہے ہو۔ اور میں مولوی فاضل ہوں۔ یونیورسٹی کی سند حاصل کر چکا ہوں۔ تمہارے پاس بھی اگر یہ سند ہو۔ تو مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ ورنہ

نہیں۔

میں نے کہا

جس کے پاس یونیورسٹی کی مولوی فاضل کی سند نہ ہو۔ تو کیا وہ عالم نہیں ہوتا؟

مولوی سلیم کی زبان سے نکلا

نہیں وہ عالم نہیں ہوتا جاہل ہوتا ہے۔

میں نے کہا:

تو پھر مرزا صاحب کے پاس بھی یہ سند نہ تھی۔ اور وہ مولوی فاضل نہ تھے۔ لہٰذا وہ بھی جاہل ہوئے۔

میری اسی ایک بات سے مولوی سلیم گھبرا گیا۔ اور مسلمانوں نے ایک زوردار نعرہ لگایا۔

میں نے پھر اسے بولنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

مسلمانو! یہ مولوی صاحب مرزا صاحب کو نبی و رسول بنا رہے ہیں۔ حالانکہ خود مرزا صاحب کا اپنے متعلق کچھ اور ہی خیال ہے۔ یہ انہیں نبی و رسول بتاتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے متعلق ہمیں جو سناتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مرزا صاحب کی کتاب درِ ثمین کھولی۔ اور ان کا یہ شعر سنایا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں:

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار!

دیکھئے مرزا صاحب کہتے ہیں۔ میں تو "کرمِ خاکی" یعنی زمین کا ایک کیڑا ہوں۔ اور "آدم زاد" یعنی انسان کا بچہ نہیں ہوں۔ آدم زاد کا ترجمہ میں نے بزبان پنجابی سنایا کہ میں "بندے دا پتّر" ہی نہیں۔

میرا یہ ترجمہ سن کر مجمع سے آواز آئی

"واقعی او نہیں کوئی کم وی بندے دیاں پتڑاں والا نہیں کیتا۔"

درثمین کا یہ شعر سنا کر میں نے مولوی سلیم کو مخاطب کیا۔ کہ آپ مرزا صاحب کو نبی و رسول بنا رہے ہیں۔ اور مرزا صاحب خود اپنے انسان و آدمی ہونے کا بھی انکار کر رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کہ میں تو ایک کیڑا ہوں۔ میری مسلسل تقریر سے لوگ بہت خوش ہو رہے تھے۔ مولوی سلیم بولا۔ ٹھہرو ٹھہرو!!

حضرت مرزا صاحب کا یہ شعر حضرت داؤد علیہ السلام کے قول کے مطابق ہے جو زبور میں درج ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اپنے متعلق یہ کہا ہے"۔ اور یہ تواضع ہے مرزا صاحب نے تواضعاً ایسا کہا ہے"

میں نے جواب دیا۔ زبور جو منزل من اللہ ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے مگر موجودہ زبور۔ تورات و انجیل وغیرہ محرّف ہیں۔ ان میں بہت سی باتیں الحاقی بھی ہیں اس لیے آج کل کی محرف زبور کو ہم نہیں مانتے۔ ہمارے لیے حجت اگر ہے تو ارشادِ قرآن نہ کہ محرف زبور کی کوئی بات۔ مولوی صاحب! آپ اگر مسلمان ہیں تو قرآن سنا دیئے۔ زبور کا نام کیوں لیتے ہیں۔

میں نے پھر مولوی سلیم کو کچھ بولنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور جوش سے بیان کرتا رہا۔ اور کہا۔ مسلمانو! سنو! مرزا صاحب کس طرح اپنی آدمیت و انسانیت کی خود ہی نفی کر رہے ہیں۔ اور پھر اس موقعہ پر ایک لطیفہ بھی سنا دیا۔ کہ ایک دیہاتی اپنے ایک شہری دوست کے گھر آیا۔ تو شہری دوست نے اپنے دہقانی دوست کے لیے بڑے پُر لطف کھانے تیار کیے اور مرغ مسلم۔ قورما اور بریانی وغیرہ اس کے سامنے رکھ کر کہنے لگا۔

"بھئی! یہ جو دال روٹی ہے حاضر ہے کھاؤ"

دہقانی بڑا حیران ہوا۔ کہ اتنے بڑے شاہی کھانوں کو یہ دال روٹی کہہ رہا ہے۔ دہقانی نے سوچا۔ شاید یہی تہذیب ہے۔ کہ اپنی بڑھیا چیز کو بھی بے حد گھٹا کر پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے دل میں یہ بات بٹھالی۔ کہ اپنی بڑھیا چیز کو ہمیشہ گھٹا کر پیش کرنا یہ تہذیب ہے۔

اتفاقاً کچھ دنوں کے بعد وہ شہری دوست اپنے دہقانی دوست کے گھر گیا۔ تو اس دہقانی دوست نے بھی اپنے شہری دوست کے لیے کھانا تیار کیا۔ اور اپنی بساط کے مطابق دال پکائی۔ اور اس کے ساتھ روٹی۔ جب وہ اپنے شہری دوست کے سامنے دال روٹی رکھنے لگا۔ تو اسی اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق سوچنے لگا۔ کہ میرے شہری دوست نے تو مرغ مسلم اور قورما وغیرہ کو دال روٹی کہا تھا۔ اور میری دعوت میں تو ہے ہی دال روٹی۔ میں دال روٹی کو گھٹا کر کس چیز کا نام لوں۔ اور پیش کروں؟ آخر سوچ کر اس نے روٹی اٹھائی۔ اور اپنے شہری دوست کے سامنے رکھ کر کہنے لگا۔

"بھئی! یہ جو گُوہ مُوت ہے حاضر ہے کھاؤ۔"

دیکھا آپ نے؟ بچارے نے اپنی حماقت کے باعث اچھے بھلے پاک کھانے کو گُوہ مُوت بنا دیا۔ کچھ یہی حساب مرزا صاحب کا بھی ہے۔ کہ آدمی ہوتے ہُوئے کہہ دیا۔ کہ میں انسان کا بچہ ہی نہیں۔ اور زمین کا کیڑا ہوں۔

اور یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے تواضعاً ایسا کہا ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے۔ تواضع کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تواضعاً یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ

"میں بڑا گنہ گار ہوں، عاجز ہوں، مسکین ہوں۔

مگر یوں کوئی نہیں کہتا۔ کہ

"میں بڑا حرامی ہوں۔ بدمعاش ہوں۔ بے دین ہوں۔
یہ کوئی تواضع نہیں۔ یہ تو حماقت وجہالت ہے۔

مرزا صاحب کے اس شعر اور اُس پر میرے بیان اور لطیفہ نے ایسا رنگ جمایا کہ مرزائیوں کا رنگ اڑگیا۔ یہ عالم دیکھ کر وہ اپنے میز کرسیاں اُٹھانے لگے۔ اور چند ایک جو تھے اپنے مولوی کو لیکر چلنے لگے۔ مجھے مسلمانوں نے اپنے کندھوں پر سوار کر کے نعرے لگانے شروع کئیے۔ ان نعروں کے زور سے وہ بہت جلدی وہاں سے نکل گئے۔ پھر ہم واپس آگئے۔ لوگوں نے والد ماجد علیہ الرحمۃ کو مبارکباد یاں دیں ۔اور والد ماجد علیہ الرحمتہ روئداد سُن کر بے حد خوش ہوئے۔ اور دعائیں دیں۔

سبق

مرزائیوں سے مناظرہ کرتے وقت قرآن وحدیث پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے اپنے رسول کے اقوال واشعار ہی انہیں لاجواب کر دینے کے لیے کافی ہیں مرزا صاحب کی تحریریں ہی بتاتی ہیں۔ کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا نہ تھا۔ صدق وکذب مرزا یہ ایک ایسا موضوع ہے۔ جس پر مناظرہ کرنے کے لیے مرزائی تیار نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی اپنی تحریریں ہی انہیں جھوٹا ثابت کر دیتی ہیں۔ مرزائی اسی واسطے زیادہ زور "حیاتِ مسیح" پر مناظرہ کرنے پر دیتے ہیں۔ مگر دانا مناظر مرزائیوں کی اس چال میں نہیں آتا اور وہ انہیں "صدق وکذب مرزا" پر مناظرہ کرنے کے لیے کہتا ہے۔ اِسی طرح مرزائی اگر اس موضوع پر مناظرہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ تو بھی گویا وہ ہارے۔ اور اگر آمادہ ہو جائیں تو پھر مرزا صاحب کے متضاد اور عجیب وغریب اقوال واشعار کی بدولت اور بھی زیادہ رسوا کن شکست سے انہیں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب کے ایک ہی اپنے شعر سے ڈھیٹی میں مرزائی مولوی کو شکست ہوئی۔ اور وہ گویا یہ مصرعہ پڑھتے ہوئے میدان سے بھاگا ؂

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حکایت نمبر ۳۶
بابا الٰہی بخش

مسجد شہید گنج کے ہنگامہ کے دنوں میں راولپنڈی آرسنل میں خطیب تھا۔ ایک دن میں ایک دکان پر بیٹھا تھا۔ کہ ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں ایک پوسٹر پکڑے ہوئے میرے پاس آیا۔ اور مجھ سے پوچھنے لگا۔

مولوی محمد بشیر آپ ہی ہیں؟

"ہاں میں ہی ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

پھر وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔

"میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ میرا یہ دعویٰ خود بھی تسلیم کریں۔ اور جمعہ میں لوگوں سے بھی کہیں کہ وہ مجھے قبول کریں"۔

میں اس کی یہ بات سن کر ہنسنے لگا۔

مجھے ہنستے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے انبیاء پر بھی اسی طرح ہنسا گیا تھا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے پوسٹر لیا۔ اور پڑھا۔ یہ پوسٹر اسی نے شائع کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا۔

خدائی پیغام سر سکندر کے نام

ان دنوں پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات تھے۔ اس پوسٹر میں یہ مضمون درج تھا:

اے سر سکندر! میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے فرمایا ہے۔ کہ

میں تمہیں مطلع کر دوں کہ مسجد شہید گنج تم نہ سکھوں کو دو۔ نہ مسلمانوں کو بلکہ اسے مقفل کر کے میرے فرشتوں کی عبادت کے لیے رہنے دو۔ اور اگر تم نے خدا کے اس حکم پر عمل نہ کیا۔ تو چھ مہینے کے اندر اندر تمہاری وزارت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔

اس پوسٹر کو شائع ہوئے چھ ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ اور سر سکندر بدستور وزیر اعظم تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کہ اس پوسٹر کے مطابق تو سر سکندر کی وزارت ختم ہو جانی چاہیئے تھی۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے اس حکم پر عمل نہیں کیا۔ مگر وہ تو بدستور وزیر اعظم ہیں تو کہنے لگا۔

یہ خدا سے پوچھو۔ جس نے وعدہ کر کے پورا نہ کیا۔ میرا کیا قصور

میں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ اور اس سے کہا۔ بابا اپنا علاج کراؤ۔ مگر اس نے پھر اپنے رسول ہونے کے مجھے دلائل سنانے شروع کر دیئے۔ یہ سارے دلائل وہی تھے جو مرزائی سنایا کرتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے۔ کہ وہ اپنی رسالت کا تو مدعی تھا۔ مگر مرزا کو جھوٹا کہتا تھا۔

لوگ وہاں کافی جمع ہو گئے۔ راولپنڈی کے اکثر احباب اسے جانتے تھے۔ پتہ چلا کہ یہ راولپنڈی کے متصل گاؤں جھنڈا کا رہنے والا ہے۔ اور اس کا نام بابا الٰہی بخش ہے۔ اور یہ سر پھرا اکثر کچہری میں جا کر بھی اپنی مزعومہ نبوت کا اعلان کرنے لگتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ جس نے آخرت کی کچہری میں مقدمہ جیتنا ہے۔ وہ میری نبوت کا اقرار کرے۔

سبق

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی نہیں۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہی نے اپنی مزعومہ نبوت کا اعلان کیا۔ کئی اور سر پھروں نے بھی ایسا کیا۔ چنانچہ

بابا الٰہی بخش بھی اسی لسٹ میں آتا ہے۔ ۵۲ء کی بات ہے۔ حیدر آباد سندھ کے احباب انور کی دعوت پر فروٹ مارکیٹ کے جلسۂ میلاد شریف میں بیان کرنے کے لیے میں حیدر آباد پونچا۔ ایک روز میں نے احباب سے پوچھا۔ کہ حیدر آباد میں کوئی مشہور جگہ ہو جو قابل دید ہو۔ تو وہاں چلیں۔ جواب ملا۔ کہ یہاں کی مشہور جگہ گِدو بندر ہے جہاں سندھ کا بہت بڑا پاگل خانہ ہے۔ جسے دیکھنے کو لوگ بکثرت جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے وہیں چلنے کا پروگرام بنایا اور وہاں پونچے۔ ہماری پارٹی نے داخلہ کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ اور ہم اندر گئے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگ تماشائی بن کر وہاں جاتے ہیں حالانکہ وہ جگہ عبرت کی ہے۔

ان مریضان دماغ کو دیکھا۔ بعض چیخ چلّا رہے تھے اور بعض بڑی متانت سے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ جنہیں دیکھ کر یہ وہم بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ پاگل ہیں۔ میرے ہاتھ میں اپنا ماہنامہ ماہ طیبہ تھا۔ اسے دیکھ کر ایک پاگل نے پوچھا۔ مولانا! یہ کونسا رسالہ ہے؟ میں نے کہا۔ ماہ طیبہ! بولا۔ میرے نام بھی جاری کر دیجئے۔ میں نے کہا اس کا سالانہ چندہ کون دے گا؟ تو بولا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اور اسی طرح ایک دو آیات اور پڑھ ڈالیں۔ اور پھر جو تقریر شروع کی تو اس قدر آیات پڑھیں کہ اسے کہ اُسے یہ یاد ہی نہ رہا۔ کہ موضوع کیا تھا۔ جو آیت بھی یاد آئی پڑھ دی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے کسی چکڑالوی کا دماغ پھر گیا ہے۔ کہ حدیث کا نام ہی نہیں لیتا۔

اس کے بعد ایک دوسرے صاحب کو دیکھا۔ جو بڑے کرّوفر سے کھڑے ہو کر گویا کسی بڑے جلسہ میں تقریر کر رہے ہیں۔ کہہ رہے تھے۔ "لیڈی اینڈ جنٹلمین! جان لو۔ اور خوب جان لو۔ میں ہی وزیر اعظم لیاقت علی خان ہوں۔ میں ہی گورنر جنرل ہوں۔ اور ناظم الدین بھی میں ہی ہوں۔ کون ہے جو میرے حکم سے سرتابی کرے۔"

میرے دوست سیٹھ عغفار کہنے لگے۔ مولانا یہ دیکھئے پورے کا پورا کابینہ۔ میں نے کہا۔ سیٹھ صاحب! اور یہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ ہمارے پنجابی متنبی مرزا غلام احمد نے یہ کیوں کہا ''کہ میں ہی آدم ہوں۔ میں ہی نوح ہوں۔ اور موسیٰ و عیسیٰ بھی میں ہی ہوں۔ کرشن بھی میں ہوں اور نسلیں ہیں میری بے شمار'' یہ سب دماغی خرابی کے نتائج ہیں۔ اور ایسے لوگ گدّو بندری کے لائق ہیں۔

ضلع راولپنڈی میں ایک قصبہ چنگا بنگیال ہے۔ وہاں ایک شخص تھا۔ جس کا نام فضل تھا۔ یہ شخص پکّا مرزائی تھا۔ مرزا غلام احمد نے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ مرزا کے مرنے کے بعد یہ شخص خود نبی بن بیٹھا۔ قرآن پاک میں خدا فرماتا ہے: لَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ لَا تَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًا۔ اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا۔ تو تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔'' چنگا بنگیال کا فضل اس آیت میں لفظ'' فضل ''سے مراد اپنی ذات لیتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ خدا نے فرمایا ہے۔'' اگر میرا نبی فضل تم میں نہ آتا۔ تو تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔'' اس نے بہت سے ٹریکٹ بھی شائع کئے۔ اور ان میں لکھا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی ابھی کچھ عمر باقی تھی کہ وہ وقت سے پہلے ہی دنیا سے اگلے جہان چلے گئے۔ اس لیے ان کی بقایا عمر کے لیے اب میں نبی ہوں۔ حضرت مرزا صاحب ایک مرغی تھے۔ جس کا میں چوزہ ہوں۔''

مرزا صاحب تو اپنے آپ کو بروزی نبی کہتے تھے۔ اور فضل صاحب بن گئے چوزی نبی۔

دماغ کی خرابی کے علاوہ شاطرپن۔ اور عیّاری بھی بعض لوگوں کو اس امر پر آمادہ کرتی رہی۔ کہ وہ ایسا دعویٰ کریں۔ چنانچہ ایسے شاطر و چالاک لوگ بھی گذرے ہیں۔ جو اپنی خود ساختہ نبوت کے ثبوت میں بڑے عجیب و غریب دلائل پیش

کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے زمانے میں ایسے ہی ایک چالاک شخص کا واقعہ لکھا ہے۔ جو اپنے آپ کو نبی کہتا تھا۔ اور اس نے ریت کے ذروں سے چھوٹے چھوٹے کنکر بنا رکھے تھے جو سختی میں بالکل پتھر معلوم ہوتے تھے۔ انہیں پانی میں ڈالنے سے وہ فوراً پگھل کر پانی ہو جاتے۔ انہیں وہ جیب میں رکھتا۔ اور لوگوں سے کہتا تھا کہ یہ میرا معجزہ ہے۔ کہ میں ان پتھر کے ٹکڑوں کو پانی میں ڈال دیتا ہوں اور یہ فوراً پگھل کر پانی ہو جاتے ہیں۔ بادشاہِ وقت نے اسے بلایا۔ اور کہا۔ پتھر کے ٹکڑے تمہارے اپنے نہیں جو میں دوں انہیں پانی میں گھول کر دکھاؤ۔ تو وہ کہنے لگا۔ جناب! حضرت موسیٰ نے جب فرعون کو اپنا عصا سانپ بنا کر دکھایا تھا۔ تو فرعون کو تو یہ بات نہ سوجھی تھی۔ کہ وہ یوں کہتا۔ کہ اے موسیٰ۔ عصا تمہارا اپنا نہیں جو میں دوں اس کا سانپ بنا کر دکھاؤ۔ آج آپ کو وہ بات سوجھی ہے۔ جو فرعون جیسے کافر کو بھی نہ سوجھی تھی۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا ساتھ لے کر گئے تھے۔ میں بھی اپنے کنکر ساتھ لے کر آیا ہوں۔

اسی طرح ایک دوسرے شاطر کا قصہ ہے۔ کہ اس نے دعویٰ نبوت کیا۔ تو حاکم وقت نے اسے بلا کر پوچھا تم کوئی معجزہ دکھا سکتے ہو؟ بولا۔ ہاں۔ بتاؤ کیا دکھاؤں؟ حاکم نے کہا۔ ایک تربوز بنا کر دکھاؤ۔ کہنے لگا۔ نصف گھنٹہ کی مہلت دو۔ تاکہ بازار سے ہو آؤں۔ حاکم نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہیں کھڑے کھڑے بنا کر دکھاؤ۔ تو وہ چالاک متنبّی بولا۔ مقام غور ہے۔ وہ خدا جو کُن کہہ کر فوراً سب کچھ بنا سکتا ہے۔ وہ بھی اتنی قدرت کے باوجود تربوز بناتے بناتے دو تین مہینے لگا دیتا ہے۔ میں تو اس کا رسول ہوں۔ مجھے نصف گھنٹہ بھی نہیں دیتے۔ یہ کیا انصاف ہے!

ایک تھا بروزی نبی۔ دوسرا چوزی نبی۔ اور یہ تیسرا دیکھ لیجئے تربوزی نبی۔

اور سنیے! ایسے ہی ایک خود ساختہ نبی ایک بحری جہاز پر سوار تھا۔ اتفاقاً سمندر میں طوفان آگیا۔ لوگ گھبرائے اور چیخنے چلانے لگے۔ یہ بولا۔ کیوں روتے ہو۔ سُن لو!

ابھی ابھی مجھے الہام ہوا ہے۔ کہ جہاز نہیں ڈوبے گا۔ اتفاق کی بات تھی۔ طوفان تھم گیا۔ اور جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔ کئی لوگ اس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ اس کے ایک واقف کار نے پوچھا۔ کہ تم نے اتنا بڑا اعلان کیسے کر دیا تھا۔ وہ بولا۔ میں نے سوچا۔ اگر بچ گئے۔ تو نبوت چل جائے گی۔ اور اگر ڈوب گئے تو سارے ہی ڈوبیں گے۔ کون کہنے آئے گا۔ کہ تم جھوٹے نکلے۔

لیجئے صاحب! بروزی نبی۔ چوزی نبی۔ تربوزی نبی۔ اور اسے کہہ لیجئے جہازی نبی۔ دُعا کیجئے ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً آجکل کے انبیاء سے!

حکایت نمبر ۷۲

بھیرہ کے سالانہ جلسہ میں

یہ اس زمانہ کی بات ہے۔ جبکہ مجلس احرار کا بہت زور تھا۔ اور احراری لیڈر کانگرس کی ہمنوائی میں جگہ بہ جگہ تقریریں کرتے پھر رہے تھے۔ بھیرہ ضلع سرگودھا کی انجمن حزب الانصار کا سالانہ جلسہ تھا۔ اور اس میں مَیں بھی مدعو تھا۔ بھیرہ پہنچ کر پتہ چلا۔ کہ اس جلسہ میں مولوی عطاء اللہ صاحب بخاری بھی آ رہے ہیں۔ میری تقریر کا موضوع "ختم نبوت" تھا۔ اور میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کا بیان کر رہا تھا۔ پبلک بڑے کیف و سرور میں میری یہ تقریر سن رہی تھی۔ اچانک ایک شور اٹھا۔ مجلس احرار زندہ باد۔ "امیر شریعت زندہ باد"۔ یہ شور بخاری صاحب

کی آمد پر ہوا تھا۔ میں نے دیکھا سرخپوش والنٹیروں کے گھیرے میں امیر شریعت صاحب کھدر کے لباس میں ملبوس اور ہاتھوں میں کلہاڑی پکڑے ہوئے جلسہ گاہ میں آ رہے ہیں میں اس عرصہ کے لیے چپ ہو گیا۔ بخاری صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔ اور میری طرف نگاہ کی۔ بخاری صاحب مجھے خوب جانتے پہچانتے تھے۔ اس سے قبل طالب علمی کے زمانہ میں اور دوسری مرتبہ اُچ شریف ریاست بہاولپور میں تقویۃ الایمان کی چند عبارتوں پر میری ان سے گفت گو ہو چکی تھی۔ میری صحت بڑی اچھی تھی۔ بخاری صاحب نے مجھے دیکھا۔ تو ایک عجیب سی بھی طرز کی "ہوں" کی آواز نکال کر بولے۔ خوب موٹے تازے ہو۔ لیکن بھائی (اپنی چھاتی پر ہاتھ مار کر) سات سال انگریز کا مہمان رہا ہوں۔ پورے سات سال جیل کاٹی ہے۔ اگر اس کا نصف ہی تمہیں بھی جیل میں رہنا پڑے۔ تو صحت باقی نہ رہے"۔ میں نے فوراً وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔ اور جناب قوم کا جسقدر چندہ حضور نے قبول فرمایا ہے۔ اگر اس کا نصف ہی مجھے بھی مل جائے۔ تو مجھے بھی جیل کوٹھری ہی ثابت ہو۔ اور میری صحت بھی جناب کی طرح دوگنی اچھی ہو جائے۔ میرا جواب سن کر کھسیانے ہو کر بیٹھ گئے۔ اور میں نے پھر اپنی تقریر شروع کی۔ اثناء تقریر میں میں نے سودا کا ایک شعر پڑھا۔ جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے پر لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے ؎

جنسِ دوئم کو اول بزاز کھولتا ہے
یوسف سے تو بہا میں تجھ کو گراں بنایا

یعنی کسی بزاز کے پاس چلے جائیے۔ تو وہ پہلے کم قیمت کا کپڑا دکھاتا ہے گاہک کو پسند نہ آئے۔ تو اس سے زیادہ قیمتی دکھاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو سب سے زیادہ قیمتی کپڑا ہو۔ وہ سب سے بعد پیش کرتا ہے۔ اور گاہک سے کہتا ہے۔ بھئی! اس کپڑے سے اچھا اور کوئی کپڑا میرے پاس نہیں۔ اگر یہ بھی منظور نہیں۔ تو پھر اور کوئی کپڑا ایسا نہیں جسے آپ خرید سکیں"۔

شاعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہمارے حضور علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ حسین وجمیل اور گراں قدر ہیں۔ اسی واسطے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے مبعوث کیا گیا۔ اور ہمارے حضور کو سارے انبیاء کے بعد مبعوث کر کے فرما دیا گیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ بس آج تمہارے لیے تمہارا دین میں نے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی"۔ اب اگر کوئی اس رسول کو بھی قبول نہ کرے۔ تو پھر جائے جہنم میں۔

میری تقریر کا مجمع پر بڑا اثر ہو رہا تھا۔ اور پبلک نعرے پر نعرہ لگا رہی تھی۔ بخاری صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو میری تقریر کے بعد خود بخود اٹھ کر میرے ساتھ آ کھڑے ہوئے اور بولے۔

" میں نے اس نوجوان کی تقریر سنی ماشاء اللہ اس میں بولنے کی صلاحیت ہے۔ مگر (جوش میں آکر) انبیاء کرام کی شان بڑی بلند ہے۔ ان سے متعلق گفتگو کرتے وقت بڑی احتیاط درکار ہے۔ ان شاعروں کو اس حقیقت کا کیا علم؟ میں سید ہوں۔ میرے بابا علی ہیں۔ انبیاء کی شان ان سے پوچھو یا مجھ سے پوچھو۔ یا پھر اس بڑے میاں سے پوچھو جو شبِ ہجرت غار میں حضور کے ساتھ رہا۔ (مراد اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے) مولوی بشیر صاحب نے سودا کا جو شعر پڑھا ہے۔ مسلمانو! اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ گویا یوسف علیہ السلام کی قیمت کم ہے۔ لہذا میرا فرض ہے کہ میں مولوی بشیر سے کہوں کہ وہ اسی وقت ساری پبلک کے سامنے اپنے اس بیان سے توبہ کریں۔ یہ کہہ کر مجھے مخاطب کر کے کہا۔ مولوی بشیر صاحب! جلدی کرو۔ اور توبہ کرو۔"

بخاری صاحب کی یہ بات سن کر سارا مجمع حیران تھا۔ کہ ان کی یہ کیا حرکت ہے؟ بخاری صاحب نے اچھی خاصی محاذ آرائی قائم کر ڈالی تھی۔ لوگ میری طرف

دیکھ رہے تھے۔ کہ میں کیا جواب دیتا ہوں۔

میں نے کہا۔ مسلمانو! الحمد للہ میں وہابی نہیں ہوں جو مجھے توبہ کرنے سے عار ہو۔ لیجیئے میرا اعلانِ توبہ سنیئے۔ بخاری صاحب نے اس شعر سے جو توہین یوسف علیہ السلام کا پہلو نکالا ہے۔ استغفر اللہ العظیم میرے تو گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ تاہم ایک ایسا شعر جس سے توہینِ انبیاء کرام علیہم السلام کا پہلو پیدا ہو سکتا ہے۔ مجھ سے جو پڑھا گیا ہے۔ میں اپنی اس لغزش کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور اپنے اللہ سے انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی چاہتا ہوں اور بصدق دل توبہ کرتا ہوں۔ اور وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ یہ شعر نہ کسی اپنی تقریر میں پڑھونگا۔ اور نہ اپنی کسی تحریر میں لکھوں گا۔ میری توبہ ہے۔

اس کے بعد میں بخاری صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا۔ اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی " اور پھر پبلک سے مخاطب ہو کر کہا۔ مسلمانو! آپ نے سنا۔ بخاری صاحب نے حضرت امیر المومنین شیر خدا مولا علی رضی اللہ عنہ کو بابا کہا ہے۔ اور افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑے میاں کہا ہے۔ حالانکہ جو ارذل العمر میں پہنچ جائے۔ کھانسی کا مارا ہوا ہو۔ اور جو گھر بھر کے لیے پریشانی کا موجب ہو۔ بابا اُسے کہا جاتا ہے۔ اور " بڑے میاں " عموماً پان بیڑی بیچنے والے دکانداروں کو کہا جاتا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ بخاری صاحب خود تو " امیر شریعت " اور " غازی و مجاہد " اور " مولانا " اور خدا جانے کیا کیا کہلائیں۔ مگر حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے لیے یہ گھٹیا لفظ " بابا " استعمال کریں۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے " بڑے میاں " جیسا عامیانہ لفظ بولیں۔ کسقدر ظلم ہے۔ بھائیو! ان بزرگ ترین ہستیوں کے لیے " بابا "۔ اور " بڑے میاں " جیسے الفاظ استعمال کرنا کیا ان کی توہین نہیں ہے؟ مجمع سے آواز اُٹھی۔ توہین ہے توہین ہے۔ میں نے بخاری

صاحب کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ جناب! اب آپ بھی میری طرح وسیع النظری کا ثبوت دیں۔ اور اپنے ان لفظوں سے توبہ کریں۔ اور تاخیر نہ کریں۔ جلدی کریں۔

اس موقع پر نعرے لگنے شروع ہو گئے۔ اور یہ آوازیں آنے لگیں۔ ضرور ضرور! شاہ صاحب کو بھی توبہ کرنی چاہیئے۔

بخاری صاحب نے کچھ عجیب سے انداز کے ساتھ مجھے دیکھا۔ اور کہا۔

اچھا یہ انتقام ہے!!

میں نے کہا

ہرگز نہیں بلکہ اسلام ہے اسلام۔

بولے تو پھر مرضی کیا ہے؟

میں نے کہا۔ بس یہی کہ توبہ کیجئے۔

بخاری صاحب ایک خاص انداز و لہجہ میں بولے۔

اچھا بھئی! میری توبہ! توبہ!! توبہ!!!

تین بار توبہ کا لفظ یوں ادا کیا۔ جیسے کوئی کسی سے پیچھا چھڑاتا ہے۔ بہر حال توبہ کا لفظ ان کے منہ سے نکلا۔ تو مجمع میں نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ اور لوگوں نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں اس واقعہ پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور ہر ایک نے یہی کہا۔ جواب اچھا ملا۔

سبق

انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب احترام اور ان کی تعظیم اہلسنّت کے نزدیک بنیادِ ایمان ہے۔ ان نفوس قدسیہ کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اہلِ بیت عظام اور اولیاء کرام کا ادب و احترام بھی ان کے نزدیک لازم ہے اہلسنّت و اغیار میں مابہ الامتیاز یہی ادب و احترام ہے۔ جو فضل اللہ اہلسنّت ہی کے حصہ

میں آیا ہے۔ اہلسنّت کے کسی فرد سے بالفرض کوئی ایسا جملہ نکل جائے جس سے ان نفوس قدسیہ کی توہین کا کوئی پہلو نکل سکتا ہو۔ تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف اور بصدق دل توبہ کرنے سے کبھی گریز نہ کرے گا۔ مگر دوسروں کا یہ حال ہے۔ کہ بڑی بڑی توہین آمیز اور صریح کفریہ عبارات لکھ ڈالنے کے بعد بھی وہ اپنی انہی توہین آمیز عبارات پر ڈٹ جاتے ہیں۔ اور احساس دلانے پر بھی وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ بلکہ خواہ مخواہ کی کھینچا تانی سے اپنی کفریہ عبارات کو صحیح ثابت کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں

میں نے سودا کا یہ شعر پڑھا۔ اور جب اس کا ایک بھیانک پہلو سامنے لایا گیا۔ تو اپنی لغزش کے اعتراف اور توبہ کرنے میں میں نے کوئی گریز نہیں کیا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ اس دن سے لے کر آج تک یہ شعر میں نے نہ کبھی کسی تقریر میں پڑھا ہے۔ اور نہ کسی تحریر میں لکھا ہے۔ اور دوسروں کا یہ حال ہے۔ کہ اپنی توہین آمیز عبارات کی کتابوں کو آج تک ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر تقسیم کر چکے اور کر رہے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اگر کوئی شخص اعلان کرے۔ کہ میں توہین انبیاء کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اسی بنا پر وہ مرزائیوں کے خلاف کفر کا فتویٰ لگاتا پھرے۔ تو وہ اپنے محض اس اعلان ہی سے سچا ثابت نہ ہو گا۔ جب تک کہ وہ اپنے اکابر کی بھی توہین آمیز عبارات سے بریت کا اعلان نہ کرے۔ ورنہ اس سے یوں کہا جائیگا کہ ؏

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

حکایت نمبر ۳۸
گوجر خاں کا جلسہ

یہ اس زمانہ کی بات ہے۔ جب میں راولپنڈی آرسنل میں خطیب تھا۔ مسلمانان

گوجر خاں نے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ کی مجھے دعوت دی۔ اور لکھا۔ کہ آپ فلاں گاڑی سے گوجر خاں پہنچیں۔ یہ گاڑی صبح آٹھ بجے گوجر خاں پہنچتی ہے مسلمانانِ گوجر خاں جلوس میلاد النبی کی ابتداء ریلوے سٹیشن سے آپ کو ساتھ لے کر کریں گے۔ چنانچہ میں آٹھ بجے گوجر خاں پہنچا۔ اسٹیشن کے باہر ایک ہجوم نظر آیا۔ جو مختلف جھنڈے اٹھائے ہوئے جلوس میں شرکت کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ میں جس وقت باہر نکلا۔ تو قائدینِ جلوس نے بتایا۔ کہ راولپنڈی سے سید مصطفےٰ شاہ صاحب گیلانی ایم۔ ایل۔ اے بھی بذریعہ کار آ رہے ہیں۔ اور لاہور سے مولوی احمد علی صاحب شیرانوالے دروازے والے بھی ٹرین سے آ رہے ہیں۔ یہ ٹرین پونے ۹ بجے یہاں پہنچے گی۔

گیلانی صاحب بھی یہیں تشریف لے آئیں گے۔ پھر پونے ۹ بجے یہاں سے جلوس شہر کو روانہ ہو جائیگا۔

تھوڑی دیر میں گیلانی صاحب تشریف لے آئے۔ اور لاہور سے مولوی احمد علی صاحب بھی پہنچ گئے۔ مولوی صاحب نے جو دیکھا۔ کہ یہ تو جلوس میلاد النبی ہے۔ جس میں مجھے بھی شریک ہونا پڑے گا۔ تو صوفی فضل الٰہی صاحب سے الگ ہو کر کہنے لگے۔ میں طویل سفر کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ طبیعت خراب ہے۔ میں اس وقت آرام کروں گا۔ اور جلوس میں شرکت نہ کر سکوں گا۔ آپ مولوی بشیر اور گیلانی صاحب کی معیت میں جلوس نکال لیں۔ صوفی فضل الٰہی صاحب نے یہ بات مجھ سے کہی۔ تو میں نے اس ہجوم ہی میں بلند آواز سے کہا۔ مولوی صاحب کی طبیعت خراب نہیں۔ عقیدہ خراب ہے۔ یہ جلوس کو بدعت کہتے ہیں۔ میری یہ آواز مولوی صاحب نے بھی سن لی۔ اور میری طرف عجیب انداز سے دیکھا۔ اور اپنے حواریوں کے ساتھ ہجوم سے نکل گئے۔ میں نے اور شاہ صاحب گیلانی نے جلوس میں اوّل تا آخر شرکت کی۔ اور پھر بعد از نماز ظہر جامع مسجد میں جو برلب جی ٹی روڈ ہے۔ جلسۂ میلاد شریف

کی ابتدا ہوئی ۔ میں نے اور شاہ صاحب گیلانی نے مشورہ کیا ۔ کہ مولوی احمد علی صاحب کی تقریر پہلے ہو جائے ۔ اور ہماری بعد میں ۔ چنانچہ شاہ صاحب نے سٹیج سیکرٹری سے کہہ کر مولوی صاحب کی تقریر پہلے رکھی ۔ اور بعد میں شاہ صاحب کی اور پھر میری ۔ جلسہ میں بیحد ہجوم تھا ۔ سٹیج پر علماء کرام و معززین شہر بیٹھے تھے ۔ اتنے میں مولوی صاحب آ گئے ۔ سٹیج پر پہنچے ۔ تو سارے ان کی تعظیم کے لیے اُٹھے ۔ مگر میں نہیں اُٹھا ۔ مولوی صاحب نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا ۔ اور بیٹھ گئے ۔ بیٹھنے کے بعد کسی سے میرے متعلق پوچھا ۔ کہ یہ کون ہے؟ میں نے جو دیکھا کہ مولوی صاحب میرا پوچھ رہے ہیں ۔ تو میں نے خود ان کی طرف بڑھ کر کہا ۔ میں حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب محدّث کوٹلوی کا بیٹا ہوں ۔ اور شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب الوری کا شاگرد ۔

مولوی صاحب! یہ تو میرا تعارف ہے ۔ اور آپ کا تعارف مجھے چند روز ہوئے لاہور ریلوے اسٹیشن پر حاصل ہوا تھا ۔ جبکہ گاندھی پشاور سے آ رہا تھا ۔ اور کانگرسیوں کے ہجوم میں آپ بھی گاندھی کے استقبال کے لیے کھڑے تھے ۔ ایک صاحب نے مجھے بتایا تھا ۔ کہ یہ مولانا احمد علی ہیں شیرانوالے دروازے والے" لوگوں نے میری بات سنی ۔ اور یہ کہہ کر میں اپنی جگہ آ گیا ۔ اور مولوی صاحب خاموش ہو گئے ۔ پھر ان کی تقریر کا اعلان ہوا ۔ اور آپ اُٹھے تو وہی شرک و بدعت کی گردان شروع کر دی ۔ اور کہنے لگے ۔ کہ تم انگوٹھے چومنے والے شریعت کو کیا جانو ۔ عمل ہونا چاہیئے ۔ مگر تم بے عمل ہو ۔ ایک انگوٹھے چومنے پر ہی زور دے رکھا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ

مولوی صاحب کے بعد سید مصطفےٰ شاہ گیلانی اُٹھے ۔ اور اپنی زوردار تقریر میں کہا ۔ مولوی صاحب! آپ کو شاید معلوم نہیں ۔ عزت و ناموس رسول پر کٹ مرنے والے سب انگوٹھے چومنے والے ہی ہیں ۔ غازی علم دین ۔ غازی عبدالرشید ۔ غازی اللہ دتہ

غازی عبدالقیوم - غازی امیراحمد - غازی عبداللہ - غازی محمد صدیق اور غازی مرید حسین جنہوں نے شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم رسید کیا - ان میں کوئی بھی تو وہابی نہ تھا - سب ہی انگوٹھے چومنے والے تھے - اگر کچھ دعویٰ ہو۔ تو ایک ہی ایسا غیرت مند وہابی پیش کیجئے جس نے ناموس رسول کی غیرت کھا کر کسی کافر ومشرک کو مارا ہو۔ شاہ صاحب کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اور مولوی صاحب اثنائے تقریر ہی میں اُٹھ کر جلسے سے جا چکے تھے -

سبق

دیوبندی حضرات کا زیادہ زور عمل پر رہتا ہے - اس میں شک نہیں کہ عمل بھی بڑا ضروری ہے۔ مگر عمل سے پہلے محبت رسول کا ہونا ضروری ہے - اگر یہ نہیں - تو عمل بھی بیکار ہے - یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر جان دے دینا بفضل اللہ اہلسنت کا کام ہے - اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر لاکھوں اعمال بھی قربان کر دیئے جائیں تو کم ہیں ؎

نماز اچھی حج اچھا روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی   مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر   خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

حکایت نمبر ۳۹
شیعوں کے جلسہ میں

ایک مرتبہ ملتان کے جلسۂ محرم شریف میں گیا - اور وہاں میں نے واقعہ شہادت بیان کیا - دریائے ستلج کے کنارے پر ایک قصبہ آدم واہن ہے . وہاں سے مجھے

ایک دعوت موصول ہوئی ۔ کہ میں وہاں پہنچ کر تقریر کروں ۔ ان دنوں میری تقریروں کا ابتدائی دور تھا ۔ اور مجھے تقریر کرنے کا شوق تھا ۔ کسی جلسہ کی دعوت آتی ۔ تو میں پہنچ جاتا ۔ چنانچہ میں آدم واہن بھی پہنچ گیا ۔ ریلوے سٹیشن پر کچھ لوگ مجھے ساتھ لے چلنے کے لیے آئے ہوئے تھے ۔ اسٹیشن سے کچھ فاصلہ پر قصبہ واقع ہے ۔ ایک تانگہ پر بٹھا کر مجھے وہ لوگ قصبہ میں لے گئے ۔ اور ایک مکان میں مجھے لے جا کر بٹھایا ۔ میں نے مکان کے اوپر کالا جھنڈا لگا ہوا دیکھا ۔ اور حیران ہوا ۔ کہ یہ کیا قصہ ہے ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ۔ کہ میرے بلانے والے حضرات میرے پاس آ کر بیٹھ گئے ۔ اور بڑی متانت سے کہنے لگے ۔ مولانا گستاخی معاف ! ہم سب شیعہ ہیں ۔ ملتان میں آپ کی تقریر شہادت ہم نے سنی تھی ۔ ہمارا دل چاہا ۔ کہ آپ کی یہ تقریر ہمارے اس قصبہ میں بھی ہو جائے ۔ ہم نے بڑے شوق سے آپ کو بلایا ہے ۔ آپ اپنے دل میں کسی قسم کا خیال نہ لائیں ۔ ہم آپ کے خادم ہیں ۔ دل و جان سے ہم آپ کی خدمت کریں گے آپ ہمیں واقعہ شہادت سنائیں ۔

یہ بات معلوم کر کے میں بڑا حیران اور پریشان بھی ہوا ۔ کہ میں کہاں آ گیا ۔ مگر آ چکا تھا ۔ اس لیے بجز اس کے کہ وہاں تقریر کرتا اور کیا کرتا ۔ مگر میں اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس وقت اپنے آباء و اجداد اور اپنے اساتذہ کے فیض روحانی کی بدولت میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ۔ کہ اگر میں نے یہاں صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے فضائل کا ذکر نہ کیا ۔ اور صرف انہی لوگوں کو خوش کرنے کے لیے واقعہ شہادت تو بیان کر دیا ۔ اور فضائل صحابہ بیان نہ کئے ۔ تو پھر میرے مسلک حق اور ان کے مسلک تقیہ میں فرق کیا رہ جائیگا ؟ اور اس صورت میں میں مداہن اور ساکت عن الحق ثابت ہوں گا ۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ناراضگی کا مستحق بن جاؤنگا ۔ کچھ بھی ہو ۔ میں اپنے مسلک اہلسنت کے مطابق صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل ضرور بیان کرونگا ۔ اور فضائل صحابہ کے بعد

پھر واقعہ شہادت شروع کرونگا۔

چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ میں واقعہ شہادت بیان کروں گا۔ مگر اپنے مسلک کے مطابق۔ وہ کہنے لگے۔ جناب! ہم آپ پر کوئی پابندی نہیں لگاتے۔ آپ جیسے چاہیں بیان کریں۔ یہ بھی صحابہ کرام الرضوان کی کرامت تھی۔ کہ ان کے مخالفین مجھے آزادی سے بیان کرنے کی اجازت دے رہے تھے۔

رات کو محفل جمی۔ ان کے ایک ذاکر نے مرثیہ وغیرہ پڑھا۔ اور پھر میں نے اللہ کا نام لے کر اپنی تقریر شروع کی۔ خطبہ کے بعد آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ پڑھ کر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے پھر وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت صدیق اکبر۔ حضرت فاروق اعظم۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہم کے نام لے کر بالخصوص ان کے فضائل بیان کیے۔ اور پھر دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بالعموم فضائل سنائے۔ اور سنایا کہ ان سب نفوس قدسیہ میں اللہ کی راہ میں کٹ مرنے کا ولولہ اور جہاد کا جذبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمایا تھا۔ پھر صحابہ کرام کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے سنایا۔ کہ اسی سنہری سلسلہ کی کڑی واقعہ شہادت بھی ہے۔ اور پھر واقعہ شہادت سنایا۔

میں نے دیکھا کہ سارا مجمع میرا بیان سکوت وغور کے ساتھ سن رہا ہے۔ صحابہ کرام کے ذکر کے وقت تو وہ کچھ بولے نہیں۔ ہاں واقعہ شہادت کے دوران میں وہ داد دینے لگے۔ اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کے نعرے لگانے لگے۔

تقریر کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگے۔ مولانا! آپ نے جو بیان کیا۔ ہم نے خوشی سے سنا۔ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

میں نے ان سے کہا۔ کہ اب آپ اتنا کرم فرمائیں۔ کہ مجھے ابھی اسی وقت رخصت کر دیں اور سٹیشن تک چھوڑ آئیں۔ تاکہ میں رات ہی کی کسی گاڑی میں واپس چلا جاؤں۔

چنانچہ انہوں نے میری یہ بات بھی تسلیم کر لی۔ اور مجھے اسٹیشن پر چھوڑنے آگئے۔ اتفاقاً اس وقت ایک ٹرین بھی آگئی جس پر میں واپس گھر پہنچا۔ حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ تو وہ سُن کر بیحد خوش ہوئے۔ اور آئندہ مجھے جلسوں میں جانے کے شوق کے ساتھ احتیاط رکھنے کی بھی تاکید فرمائی۔

سبق

ہم اہلسنّت وجماعت کا یہ شعار ہے۔ کہ ہم محبّتِ اہلِ بیت کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی محبت بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور صحابہ کرام و اہلبیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں کے ہم غلام ہیں۔ اہل بیت عظام کے بے ادب و گستاخ ویسے ہی بے دین وگمراہ ہیں۔ جیسے صحابہ کرام کے بے ادب و گستاخ۔

ہمارے بزرگوں کا ہمیں یہی درس وسبق ہے، کہ واقعہ شہادت بیان کرتے وقت صحابہ کرام کی قربانیوں کا بھی ضرور ذکر کیا جائے۔ اور روافض کو خوش کرنے کے لیے غیر مستند اور من گھڑت قصے نہ سنائے جائیں۔ ذکرِ شہادت کی مجالس اپنے زیرِ انتظام منعقد کی جائیں۔ اور اپنی منعقد کردہ مجالس میں شرکت کی جائے۔ ایسی مجلس میں ہرگز نہ سننے کے لیے جانا چاہیئے نہ سنانے کے لیے جو دشمنانِ صحابہ نے منعقد کی ہو۔ اور اگر غلطی سے ایسی مجلس میں جانے کا اتفاق ہو جائے۔ جیسے میرے ساتھ ہوا۔ تو وہاں اپنے مسلک کو ہرگز نہ بھولے۔ اور اللہ پر بھروسہ کر کے صحابہ کرام کے فضائل ضرور بیان کرے۔ ورنہ وہ سخت گنہگار ہوگا۔

ہمارے واعظین اور نعت خوانوں کو بھی ایسے واقعات اور ایسے اشعار سنانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ جن سے رفض پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اور ذکرِ شہادت کرتے وقت طرز و لہجہ بھی روافض کا سا اختیار نہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ واقعہ ایسے رنگ میں بیان نہ کرنا

چاہیئے۔ جس سے اہلِ بیت عظام کی (معاذ اللہ) بے صبری۔ ہزیمت۔ پریشانی اور توہین کی غلط تصویر سامنے آئے۔ بلکہ اس انداز سے بیان کرنا چاہیئے۔ کہ ان اللہ کے شیروں کی جرأت۔ ہمت۔ صبر و استقلال اور اللہ کی راہ میں دلیرانہ و شجاعانہ قربان ہو کر امت مرحومہ کو درس جہاد دینے کا نقشہ نظر آنے لگے۔ اور پھر حضرت حسن علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھنا چاہیئے۔

بے ادب گستاخ فرقے کو بتا دے اے حسن
یوں بیان کرتے ہیں سنی داستانِ اہلبیت

حکایت نمبر ۸۴
سکھوں کے جلسہ میں

یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب میں راولپنڈی کے قلعہ میگزین میں خطیب تھا۔ جمعہ کے روز ٹینٹ شاپ کا وسیع ہال نماز جمعہ کے لیے خالی کر دیا جاتا تھا۔ اور نماز جمعہ وہیں پڑھی جاتی تھی۔ جمعہ کے روز میری تقریر سننے کے لیے قلعہ کے ملازم اکثر ہندو سکھ بھی وہاں پہنچ جاتے۔ اور تقریر سن کر محظوظ ہوتے۔

سکھوں کے گورونانک کا جنم دن آیا۔ تو انہوں نے یہ دن منانے کے لیے ٹینچ بھاٹہ میں ایک بہت بڑے جلسہ کا انتظام کیا۔ جس میں بڑے بڑے سکھ مقرر بلائے گئے۔ اس جلسہ میں تقریر کرنے کی دعوت دینے بہت سے سرکردہ سکھ میرے پاس بھی آئے۔ اور آ کر کہا۔ کہ ہم سب کی خواہش ہے۔ کہ ہمارے اس جلسہ میں آپ بھی ہمارے گورو سے متعلق کچھ بیان کریں۔ میں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ اور انہوں نے سارے علاقہ میں

اعلان کر دیا۔ کہ ان کے جلسہ میں میری بھی تقریر ہو گی۔

بابا نانک کی سوانح عمری ان کے ایک ساتھی بھائی مردانہ نے لکھی ہے۔ جس کا نام جنم ساکھی ہے۔ وہ میرے پاس تھی۔ میں نے اس کا کچھ مطالعہ کر لیا۔

اللہ کا فضل اور اپنے آباء و اساتذہ کا یہ فیض تھا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ بابا نانک سے مجھے کیا غرض؟ میں تو سکھوں کے جلسہ میں بھی اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر خیر کرونگا۔ اس جلسہ میں اگر میں نے حضور کا ذکر نہ کیا تو میں مجرم ہونگا۔

دوسرے روز سکھ آئے۔ اور مجھے جلسہ میں چلنے کو کہا۔ میں چل پڑا۔ میرے ہمراہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا ہجوم بھی چل پڑا۔ ایک عجیب شان سے ہم لوگ سکھوں کے جلسہ میں پہنچے۔

جلسہ گاہ کو بڑے اچھے طریق پر سجایا گیا تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ جلسہ گاہ میں سٹیج و ٹیج کچھ بھی نہیں۔ مقررین و سامعین سب کے لیے فرش بچھا ہوا ہے۔ اور جلسہ گاہ کا نصف حصہ عورتوں کے لیے اور نصف مردوں کے لیے ہے اور سارا پنڈال مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا ہے۔ پنڈال کے وسط میں سکھوں کی مذہبی کتاب "گرنتھ صاحب" ایک مزین چوکی پر رکھی ہوئی ہے۔ اور اس کے اردگرد سکھ مقررین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بعض بھجن گانے والوں کے ساتھ ریشمین غلافوں میں لپٹے ہوئے ہارمونیم اور طبلے رکھے ہوئے ہیں۔

میں جب جلسہ گاہ میں پہنچا تو یہ سب لوگ میرے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے بڑی تعظیم کے ساتھ اسی حلقہ میں بٹھا دیا۔ جہاں سکھ مقررین بیٹھے تھے۔ میرے مسلمان ساتھی بھی جہاں جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے۔ قلعہ میگزین کے ایک سکھ افسر نے میرا تعارف کرایا۔ اور جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے امرتسر کے ایک بی اے سردار صاحب اُٹھے۔ اور کہنے لگے۔
مترو اور سجنو! آج ہمارے پیغمبر حضرت گورو نانک علیہ السلام کا جنم دن ہے۔ (یہ پیغمبر اور علیہ السلام کے الفاظ اس نے میری وجہ سے استعمال کئے۔ حالانکہ میرے لیے یہ الفاظ نئے نہ تھے۔ مرزا صاحب قادیانی اور مرزائی بھی نانک کو پیغمبر اور علیہ السلام لکھتے ہیں۔ گویا میرے لیے یہ آواز بھی اسی قسم کی ایک آواز تھی)۔ اور ہمارے پیغمبر صاحب سارے پیغمبروں میں ایک امتیاجی (یعنی امتیازی۔ سکھ چاہے بہت بڑے تعلیم یافتہ بھی کیوں نہ ہو جائیں۔ ان کا لہجہ و تلفظ کچھ اسی قسم کا دہقانی ہی رہتا ہے) درجے کے مالک تھے۔ اللہ کے اور بھی بہت سے پیغمبر آئے۔ مگر ان سب پیغمبروں نے اپنے مخالفوں کو کافر کہا۔ جسطرح حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مخالفوں کو "یاایہا الکافرون" کہا۔ اور ہمارے پیغمبر گورو نانک نے کسی کو بُرا نہیں کہا۔ اور کسی کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں سے کہا۔ تم بھی اچھے ہو۔ ہندؤوں سے کہا۔ تم بھی اچھے ہو۔ عیسائیوں سے کہا۔ تم بھی اچھے ہو۔ گویا ہمارے پیغمبر نے صلح کلی کا درس دیا ہے۔" سکھ مقرر کچھ اسی طرح کی تقریر کرتے رہے۔ اور اثناء تقریر میں یہ بھی کہا۔ کہ ہمارے گورو صاحب نے نشہ آور چیزوں سے روکا ہے۔ حقہ تمباکو شراب پینے سے منع کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سردار صاحب نے کوئی نصف گھنٹہ تقریر کی۔ اور پھر میرا اعلان کیا۔ کہ اب ہمارے گورو صاحب سے متعلق مولوی صاحب تقریر کریں گے۔

میں جب اٹھا۔ تو سکھوں نے نعرہ لگایا

جو بولے سو نہال۔ ست سری اکال۔

عمر بھر میں تقریر کے لیے کھڑا ہونے پر پہلی مرتبہ اس قسم کا نعرہ سن کر عجیب سی بات معلوم ہوئی۔ اتنے میں میرے مسلمان ساتھیوں نے فلک شگاف نعرہ لگایا

نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر

میں نے خطبہ مسنونہ پڑھ کر اپنی تقریر شروع کی۔ اور کہا:

صاحبان! مجھے بھی نانک جی سے انس ہے۔ صرف اس لیے کہ نانک جی اللہ کے پیغمبروں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تعلیمات اور حضور کے بعض ارشادات کے پرچارک تھے۔ اور نانک جی کے بعض کلمات ہمارے حضور کی تعریف و توصیف میں بھی ہیں۔ اس لیے مجھے نانک جی سے انس ہے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کا ارشاد دنیا والوں کو سُنایا کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی جن و انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ تو نانک جی نے اس ارشاد کا پرچار یوں کیا۔ "جو سر سائیں نہ نیویں سو سر کپ اُتار"

گویا نانک جی نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی تبلیغ کی۔ اس لیے مجھے ہر وہ چیز اچھی لگتی ہے۔ جو میرے رسول کے ارشادات کی مبلّغ ہو۔ میرے اور سب کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج آسمانوں کو عبور فرما کر اللہ کے پاس پہونچے۔

نانک جی نے حضور کی سیر فلک پر فلسفیوں کا منہ اس شعر میں بند کیا ہے ؎

نانکا نب کو در نہیں نبی گئے کت پار

جیونکہ جھجن اچھپیوں نبی گئے اِت پار

یعنی اے نانک! جب آسمان کو کوئی دروازہ نہیں۔ تو نبی آسمان میں سے کیسے پار نکل گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جسطرح عینک کے شیشے سے نظر گذر جاتی ہے۔ اسی طرح نبی آسمانوں سے گذر گئے۔" گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔

نانک جی نے اپنے اس شعر میں ہمارے حضورؐ کی معراج کو ثابت کیا ہے۔ اس لیے مجھے نانک جی سے انس ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہماری اذانوں میں ہوتا ہے۔ اور نانک جی کہتے ہیں

کنّ وچ پا کے انگلیاں نانک دتی بانگ

یعنی کان میں انگلیاں ڈال کر نانک اذان دیتا ہے۔ تو جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے مجھے وہ پیارا لگتا ہے۔

صاحبان! مجھ سے پہلے سردار صاحب نے جو نانک کی تعریف کی ہے، کہ انہوں نے کسی کو برا نہیں کہا۔ سب کو اچھا ہی کہا ہے۔ تو یہ کوئی تعریف کی بات نہیں۔ میرے خیال میں تو یہ نانک جی کی توہین ہے۔

دیکھئے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک شخص ایک بلند مقام پر کھڑا ہو اور وہ دیکھے۔ کہ ایک آدمی باغ کی طرف جا رہا ہے۔ اور دوسرا آدمی جو اندھا ہے راستہ بھول کر ایک کنوئیں کی طرف جا رہا ہے۔ تو اس بلند مقام پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے کا فرض ہے۔ کہ وہ اس اندھے کو اس خطرناک راہ سے روکے۔ اور اسے بتائے کہ اگر تم اسی راہ پر چلتے رہے تو کنوئیں میں گر جاؤ گے۔ بلکہ اسے اس اندھے پر سختی بھی کرنی پڑے۔ تو اسے سختی کے ساتھ بھی روکے تاکہ اس کی جان بچ جائے۔ اور اگر وہ اس موقعہ پر صلح کلی بن جائے۔ اور یوں کہے کہ اے باغ کی طرف جانے والے تم بھی ٹھیک جا رہے ہو۔ اور اے کنوئیں کی طرف جانے والے تم بھی ٹھیک جا رہے ہو۔ چلتے رہو۔ یہ راہ نہ چھوڑنا۔" تو فرمائیے۔ یہ اس کی بھلائی ہے یا حماقت؟

صاحبان! جو اللہ کے پیغمبر ہیں۔ وہ ایک بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ جہاں سے انہیں ہر شخص کی روش مذہب کا نتیجہ نظر آتا ہے۔ اور وہ مخلوق کو جہنم کے گڑھے سے بچانے کے لیے انہیں غلط راستے سے علی الاعلان روکتے ہیں۔ اور ان کا رُخ جہنم کے گڑھے سے موڑ کر جنّت کے باغ کی طرف کر دیتے ہیں۔ اور جو شخص ہر ایک روش کو چاہے وہ جہنم کی طرف جا رہا ہو۔ اچھا کہے اور اسے نہ روکے فرمائیے اسے کون اچھا کہے گا؟ تو میرے خیال میں سردار صاحب نے نانک جی کی یہ کوئی تعریف نہیں

کی۔ سردار جی نے خود ہی یہ بھی کہا ہے۔ کہ نانک جی نشہ آور چیزوں سے روکتے رہے۔ تو اس طرح بھی وہ صلح کلی نہ رہے۔ صلح کلی تو تب ہوتے جبکہ شرابیوں سے بھی صلح رکھتے۔ اور ان سے بھی کہتے کہ تم بھی اچھے ہو۔ نانک جی نے اگر شرابیوں کی مذمت کی اور یہ کوئی بری بات نہیں۔ تو اللہ کے سچے پیغمبروں نے اگر کافروں کی مذمت کی اور انہیں کفر سے روکا تو یہ بات قابلِ اعتراض کیوں ہو؟

میری تقریر سب سنتے رہے۔ مگر پھر "ست سری اکال" کا نعرہ کسی نے نہیں لگایا۔ ہاں میرے مسلمان ساتھی نعرۂ تکبیر لگاتے رہے۔ پھر میں نے کہا اور صاحبان! مجھے نانک جی اور آپ کی یہ روش بھی اچھی لگتی ہے۔ کہ آپ کے چہروں پر داڑھی ہے۔ خوب یاد رکھیئے۔ اس داڑھی رکھنے کی بھی تاکید ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اس موقعہ پر وہی بی اے سردار صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ اور کہا

مگر مولوی صاحبان تو داڑھی کٹوانے کا حکم دیتے ہیں۔

میں نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ ہاں مشت بھر سے زیادہ کے کٹوانے کا آپ نے سنا ہوگا۔"

سردار جی۔ "مگر داڑھی اگر اچھی ہے تو پھر مشت بھر سے زیادہ بُری کیوں ہوگئی۔؟

میں: ہر چیز اپنی حد میں رہ کر اچھی اور مفید ہوتی ہے جسطرح انگلیوں کے ناخن خوبصورت اور مفید ہوتے ہیں۔ مگر حد سے زیادہ ناخن آپ بھی کٹوا دیتے ہیں۔

سردار جی: ناخنوں کی حد تو سب کو نظر آتی۔ مگر داڑھی کی حد کب کسی کو نظر آتی ہے۔

ہیں ، چھوٹے بچوں کو ناخنوں کی حد بھی گویا نظر نہیں آتی۔ اسی لیے وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور ماں باپ ان کے زیادہ ناخن کٹوا دیتے ہیں۔ اسی طرح عام لوگوں کو داڑھی کی حد نظر نہیں آتی ۔ مگر نبی کو نظر آتی ہے۔ جس طرح ماں باپ بچے کے زائد ناخن کٹوا دیتے ہیں۔ اسی طرح نبی اپنی امت کے بدن کے زائد بال کٹوا دیتے ہیں۔ ہاں جن بچوں کے ماں باپ ہی وحشی ہوں۔ ان بچوں کے ناخن اور بال بڑھ جائیں تو تعجب کی بات نہیں۔

اس پر سردار جی خاموش ہو گئے۔ اور میں نے بھی تقریر ختم کر دی پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ اور میرے ساتھی بھی میرے ساتھ ہی نکل آئے۔ اور بڑی مسرت کا اظہار کرنے لگے۔ میں نے کہا الحمد للہ سکھوں کے جلسہ میں اللہ نے میرے منہ سے اپنے حبیب کا ذکر کرا دیا۔

فصلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سبق

انبیاء سابقہ علیہم السلام اپنے اپنے دور اور اپنی اپنی امت میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے رہے۔ اور خدا نے بھی زبور۔ توراۃ و انجیل کتب سابقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ گویا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہر زمانہ میں ہوتا رہا۔ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ پھر ہم بھی کیوں نہ ہر اجتماع ہر جلسہ اور ہر مجلس میں یہ ذکر پاک کریں؟ خدا کے فضل و کرم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہر اجتماع میں کرنا شیوۂ اہلسنّت ہے۔ اور انہیں بغیر اس ذکر پاک کے قرار ہی نہیں ملتا۔ اسی مقدس جذبہ سے میں نے بھی سکھوں کے جلسہ میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔ اور قرار و سکون پایا۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو برائے نام مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج پاک کا

انکار کرتے ہیں اور طرح طرح کے عقلی ڈھکوسلے پیش کرتے ہیں - ان سے بابا نانک لاکھ درجے اچھا - جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا قائل اور فلسفیوں کے عقلی ڈھکوسلہ کا جواب دیتا ہے - ع

گلوں سے خار اچھے ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

حکایت نمبر ۱۴۱

بمبئی میں

متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں میں محرم شریف کے بیانات کے لیے بمبئی جایا کرتا تھا - چمنا بوچر اسٹریٹ کے احباب بلایا کرتے تھے - محرم شریف کے دنوں بمبئی میں مجالس محرم شریف کی بڑی کثرت ہوا کرتی تھی - بمبئی کے تقریباً ہر محلہ میں اس مجلس کا انعقاد ہوتا اور علماء کرام کافی تعداد میں بمبئی پہنچ جاتے - مدعو علماء کرام کے علاوہ بہت سے حضرات بغیر کسی دعوت کے بھی بمبئی پہنچ جاتے - اور کسی نہ کسی محلہ میں ان کا تقرر ہو جاتا -

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ایک بزرگ حضرت مولانا حکیم سید عبدالرحیم صاحب وہاں تھے - جو بڑے لائق طبیب اور بہت بڑے رئیس تھے - ان کی ایک شاندار وسیع بلڈنگ تھی - غیر مدعو علماء بمبئی پہنچ کر سیدھے ان کے پاس پہنچ جاتے - اور وہیں قیام کرتے - حضرت حکیم صاحب ان کے قیام و طعام کا خود ذمہ لیتے - بمبئی والوں کو یہ علم تھا - کہ محرم شریف کے بیانات کے لیے اکثر علماء کرام حکیم صاحب کے پاس آکر ٹھہرتے ہیں - اس لیے اگر کسی محلہ والوں کو مقرر کی ضرورت

پڑتی۔ تو وہ حکیم صاحب کے پاس آکر درخواست کرتے۔ اور حکیم صاحب اپنے مہمان علماء کرام میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے ان کے ساتھ بھیج دیتے۔

مزے کی بات یہ ہے۔ کہ ان بن بلائے پہنچنے والوں میں دیوبندی مولوی بھی ہوتے۔ جو بمبئی پہنچ کر سُنّی بن جاتے۔ اور کوشش کر کے کسی محلہ میں بیان کرنے لگتے۔

ہمارے ضلع سیالکوٹ کے ایک مولوی صاحب جو پکے دیوبندی اور احراری تھے۔ ایک سال بمبئی جاتے ہوئے مجھے دہلی اسٹیشن پر ملے۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ بمبئی جا رہا ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کوئی دعوت ہے؟ بولے دعوت تو کوئی نہیں۔ کوشش کر کے کہیں لگ جاؤں گا۔ ان کا یہ جملہ مجھے آج تک یاد ہے۔

بمبئی میں خدا کے فضل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے میرے بیانات بڑے مقبول تھے۔ اور دوسرے محلے والے بھی مجھے اپنے اپنے محلوں میں بلاتے۔ چنانچہ جب کسی دوسرے محلے کے احباب سے بھی تقریر کا میں وعدہ کر لیتا۔ تو ہمارے سٹیج پر اعلان ہو جاتا۔ کہ یہاں تقریر کرنے کے بعد میں فلاں محلہ میں بھی تقریر کے لیے جاؤں گا اور اس محلے کے سٹیج پر بھی اس امر کا اعلان ہو جاتا۔ پھر میں اپنے سٹیج پر تقریر ختم کر کے فوراً اس محلہ کے لیے روانہ ہو جاتا۔

ایک روز بمبئی کے محلہ باندرہ کے احباب مجھ سے وقت لینے آئے۔ اور میں نے دوسری شب کا ان سے وعدہ کر لیا۔ چنانچہ ہمارے سٹیج پر اور باندرہ کے سٹیج پر بھی میری تقریر کا اعلان ہو گیا۔ دوسرے روز میں جب اپنے سٹیج کی تقریر سے فارغ ہوا تو احباب کی معیت میں باندرہ کے لیے روانہ ہوا۔ اور جب باندرہ کے سٹیج پر پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ سٹیج پر وہی احراری دیوبندی مولوی صاحب بیٹھے ہیں۔ جو دہلی اسٹیشن پر مجھے ملے تھے۔ وہ اپنی کوشش سے یہاں باندرہ میں "لگ" چکے تھے۔ وہ اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھے تھے اور نعت خوانی کا سلسلہ جاری تھا۔ میں پہنچا۔ تو سٹیج کے جملہ احباب نے محبت و پیار کے ساتھ اٹھ کر

میرا استقبال کیا میں نے دیکھا۔ کہ سب احباب کھڑے ہیں۔ اور وہ مولوی صاحب بیٹھے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکوہ پیدا نہ ہوا۔ اس لیے کہ مجھے علم تھا۔ کہ یہ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو ساری کائنات کے سردار و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی قیام تعظیمی کے منکر ہیں۔ پھر میں کون ہوں؟

تھوڑی دیر کے بعد مجھے تقریر کے لیے کھڑا ہونا تھا۔ چونکہ وہاں کے سٹیج کے مقرر وہی تھے۔ اس لیے میری تقریر کا اعلان اور میرا تعارف اہل محلہ نے ان کے ذمہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ اُٹھے۔ اور کہنے لگے۔

"بھائیو! آج اس وقت مولوی بشیر صاحب کا بھی بیان ہوگا۔ (ظالم نے میرے نام سے اسم مقدس "محمد" کو چھوڑ دیا) پھر کہا۔ مولوی بشیر صاحب میرے ضلع کے ہیں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ اپنے وعظوں میں زیادہ تر فروعی مسائل کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ مثلاً مسئلہ نور و بشر۔ اس جیسے مسائل پر ان کا وعظ خوب ہوتا ہے۔ مگر آج ان سے میری گذارش ہے۔ کہ یہاں ہمارے اس علاقہ میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ ان کا اسلام پر ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ کہ اسلام میں ایک مرد کے لیے چار بیویوں سے نکاح کر لینا کیوں جائز ہے؟ اور یہ کہ اگر ایک مرد چار بیویوں کا شوہر ہو سکتا ہے۔ تو ایک عورت چار شوہروں کی بیوی کیوں نہیں ہو سکتی۔ اور پھر یہ کہ امت کے لیے چار تک کا جواز ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مولوی صاحب سے میں گذارش کرتا ہوں کہ وہ آج مسئلہ نور و بشر کو رہنے دیں، اور ان اعتراضات کا جواب دیں۔

اس احراری مولوی نے گویا مجھے ردِّ وہابیہ سے روکا تھا۔ میں اُٹھا اور اپنی تقریر شروع کی اور کہا۔ حضرات! ان مولوی صاحب کو میں بھی خوب جانتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ میرے ضلع کے ہیں۔ یہ اپنی تقریروں میں زیادہ تر سیاسی مسائل کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور چونکہ

یہ پکے احراری اور کانگرسی ہیں۔ اس لیے ان کی تقریروں میں کانگرس کے نظریہ وحدت ہندوستان کی حمایت اور مسلم لیگ کے نعرہ "بن کے رہے گا پاکستان" کی مخالفت ہوا کرتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی بتاتا چلوں۔ کہ بمبئی میں ان دنوں مسلم لیگ کا بڑا زور تھا۔ اور مسلمانانِ بمبئی بھی پاکستان بننے کے بڑے حامی اور مسلم لیگ کے شیدائی تھے۔ وہاں کسی مقرر کا احراری و کانگرسی رنگ میں تقریر کرنا بڑا مشکل تھا۔ اگر کسی مقرر کا انہیں پتہ چلتا کہ یہ کانگرسی خیال کا ہے۔ تو اس کی کوئی بات تک سننے کو تیار نہ ہوتا۔ میں نے جب مولوی صاحب کا پول کھولا۔ تو مجمع ان سے بدظن ہو گیا۔ اور مولوی صاحب پریشان نظر آنے لگے۔ میں نے پھر مولوی صاحب کے دیئے ہوئے موضوع پر بولنا شروع کیا۔ اور بتایا۔ کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اس کا ہر ارشاد فطرت کے مطابق ہے۔ دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ مردوں کو جنگ کے میدانوں میں جانا اور لڑنا پڑتا ہے۔ وہ جنگوں میں مارے جاتے ہیں۔ اور ان کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے دنوں میں ہم نے یورپ کے ایک مشہور فلسفی دانشور برناڈشا کا ایک مضمون اخباروں میں پڑھا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔ کہ اس جنگ میں ہزاروں کی تعداد میں سپاہی مارے گئے ہیں۔ جس کے باعث یورپ میں عورتوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔

مسلمانو! یہاں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا بھی مبارک ذکر سن لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ یقل الرجال و یکثر النساء (مشکوٰۃ ص ۴۶۱) یعنی علاماتِ قیامت سے یہ بھی ہے کہ مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔" اس موقعہ پر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کا کچھ اور بھی بیان کیا۔ اور اس دیوبندی مولوی نے بزعم خویش میرے آگے جو بندھ باندھا تھا۔ اس میں میں نے کافی شگاف ڈال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے علم پاک کا ذکر کرنے کے بعد پھر میں اپنے موضوع پر آگیا۔ اور بتایا کہ برناڈشا نے اپنے مضمون میں لکھا۔ کہ جنگ عظیم کے باعث یورپ میں چونکہ مرد کم ہو گئے ہیں۔ اور عورتوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اس لیے ان عورتوں کے لیے باعزت زندگی گذارنے کی اگر کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ تو وہ صورت صرف ایک ہے جو اسلام نے بتائی ہے کہ ایک ایک مرد چار چار عورتوں سے نکاح کرلے۔ ورنہ ایک ہی بیوی رکھنے کے بعد جو عورتیں بچ جائیں گی۔ ان کے لیے سوائے بدکاری کے اور کوئی صورت نہ رہے گی۔" اور بات بھی کچھ ایسی ہی نظر آرہی ہے۔ یورپ اسلام پر اعتراض تو کرتا ہے۔ مگر اپنی طرف دیکھے۔ تو وہی کچھ نظر آرہا ہے۔ جو برناڈشا لکھ گیا ہے۔ یعنی صاحب بہادر کی بیوی تو ایک ہی ہے۔ مگر داشتائیں بہت ہیں۔ حضرات! اب انصاف کیجئے ان ناجائز داشتاؤں کے ہوتے ہوئے منکوحہ جائز بیویوں پر اعتراض کرنا کہاں تک معقول ہے؟

اور یہ بات کہ مرد کی اگر چار بیویاں ہو سکتی ہیں۔ تو عورت کے چار شوہر کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرد اثر انداز ہے اور عورت اثر پذیر ہے۔ اثر پذیر تو متعدد ہو سکتے ہیں۔ مگر اثر انداز میں تعدد نہیں ہوتا۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ ایک ہوتا ہے محرک اور ایک متحرک۔ ریل گاڑی میں انجن محرک ہے اور گاڑی متحرک۔ دیکھ لیجئے محرک یعنی انجن تو ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر گاڑیاں جو متحرک ہیں۔ وہ زیادہ ہوتی ہیں۔ ایک انجن کے پیچھے گاڑیاں تو چار ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ گاڑی تو ایک ہو اور انجن اس کے آگے چار لگے ہوں۔ یہاں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ ایک مولوی صاحب سے ایک مسٹر نے پوچھا۔ مولوی صاحب! اگر ایک شوہر کی چار بیویاں ہو سکتی ہیں۔ تو ایک بیوی کے چار شوہر کیوں نہیں ہو سکتے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ مسٹر! اگر ایک باپ کے چار بیٹے ہو سکتے ہیں۔ تو ایک بیٹے کے چار باپ کیوں نہیں ہو سکتے۔ مسٹر کھسیانا

ہو کر بولا۔ یہ دوسری بات ہے۔ مولوی صاحب نے کہا اور یہ تیسری بات ہے۔
بھائیو! سادہ مثال ہے۔ کہ پنجے میں انگوٹھا ایک اور انگلیاں چار ہیں۔ کوئی ایسا پنجہ بھی ہے؟ جس کی انگلی ایک ہو اور انگوٹھے چار۔

رہی یہ بات کہ امت کے لیے چار تک کا جواز اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار سے زیادہ۔ سو اس بات کی وجہ یہی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل بشر نہیں۔ اگر ہماری مثل بشر ہوتے۔ تو آپ کے لیے بھی چار تک کی اجازت ہوتی۔
یہاں سے میں پھر اسی موضوع پر آگیا۔ جس سے دیوبندی مولوی نے مجھے روکا تھا اس کے بندھ کو میں نے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل ہونے پر کھل کر بیان کیا۔ جس سے مجمع بہت محظوظ ہوا۔ اور وہ مولوی مبہوت۔ پھر دوسرے دن سننے میں آیا۔ کہ باندرہ والوں نے مولوی صاحب کو جواب دے دیا۔ ہے۔ اور حضرت حکیم صاحب کے پاس حاضر ہو کر کسی دوسرے سنّی مولوی کو لے آئے ہیں۔

سبق

معلوم ہوا۔ کہ دیوبندی حضرت جن محفلوں اور مجلسوں کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔ اپنے مطلب کے لیے ان میں شریک بھی ہو جاتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ گذرا لاہور میں ایک بہت بڑی میلاد کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ تو اس میں شرکت کے لیے مولوی احتشام الحق تھانوی بھی کراچی سے لاہور آگئے۔ اور دیگر کئی ایک دیوبندی اور اہلحدیث مولوی بھی[1]

---

[1] تازہ واقعہ یہ ہے۔ کہ چوہدری ظہور الٰہی کی رسم قل کی تقریب میں لاہور کے مولوی عبیداللہ انور بھی شریک ہوئے۔ اور وہاں اس رسم قل میں بڑی لمبی چوڑی دعا بھی کی۔ نوائے وقت میں مولوی صاحب کا فوٹو بھی آیا ہے۔ آپ رسم قل میں تشریف فرما ہیں۔ اور دعا کر رہے ہیں۔ (نوائے وقت ۲۹ ستمبر ۸۱ء) یہ لوگ رسم قل کو بدعت بھی کہتے ہیں۔ اور شریک بھی ہو جاتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مجلس احرار کانگرس کی ہمنوا تھی۔ اور ان دنوں احراری حضرات کانگرس والوں کی طرح نظریۂ پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ چنانچہ انہی دنوں کی مولوی ظفر علی صاحب کی ایک رباعی مجھے یاد ہے۔ جو انہوں نے روزنامہ شہباز کے شائع ہونے پر فی البدیہہ کہی تھی۔ لاہور سے ان دنوں تین روزنامے شائع ہوتے تھے۔ زمیندار۔ انقلاب اور احسان۔ مشہور صحافی مرتضیٰ امیکش صاحب نے اپنا روزنامہ شہباز کے نام سے جاری کیا۔ تو وہ مولوی ظفر علی صاحب کے پاس پہنچے۔ کہ میرے اس نئے روزنامہ کے لیے کوئی شعر ہو جائے۔ تو مولوی ظفر علی نے فی البدیہہ یہ رباعی لکھوا دی۔ جو شہباز میں شائع ہو گئی ؎

زمیندار۔ انقلاب۔ احسان و شہباز
مسلمانوں کے چاروں ہیں یہ دمساز
ہوئے احرار شامل کانگرس میں
"کند ہمجنس باہمجنس پرواز"

حکایت نمبر ۴۲
بھارت کے شہر رائے پور میں

متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں کئی مرتبہ میں رائے پور (سی پی) میں گیا ہوں صدر بازار میں شیخ رحمٰن صاحب سوداگر کے ہاں میرا قیام ہوتا۔ مہینہ مہینہ بھر وہاں میری متواتر تقریریں ہوتیں۔ میرا وہاں کا حلقۂ احباب بڑا پر کیف تھا۔ رائے پور کے مشہور ڈاکٹر۔ ڈاکٹر رحمت خاں صاحب جو وہابیہ کے زیر اثر تھے۔ میری تقاریر سن

ان سے متنفر ہو گئے۔ اور خود اپنے گھر کے سامنے میری ایک تقریر کرا کے اس بات کا اعلان کر دیا۔ کہ میں آج سے ان عقائد کا علمبردار ہوں۔ جن کی تبلیغ مولانا محمد بشیر صاحب نے کی ہے۔ اس کے بعد وہ میرے پاس اکثر آنے لگے۔ اور ان کے علاوہ ماسٹر نیاز علی صاحب ہیڈ ماسٹر اور ایک معمر بزرگ اور بڑی معلومات کے حامل ماسٹر محمود علی صاحب پنشنر یہ بھی اپنی فرصت کے اوقات میں میرے ہی پاس گذارتے۔ اور شیخ رحمٰن صاحب تو تھے ہی میزبان۔ یہ چاروں حضرات میری مجلس کے سرگرم رکن تھے۔ اور شہر بھر میں یہ مشہور تھا۔ کہ یہ چاروں حضرات پنجابی مولانا کے مخلص ترین دوست ہیں۔ حتیٰ کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک خوشنویس سے ایک بڑے کاغذ پر یہ شعر لکھوا کر میری نشست گاہ میں لگوا دیا تھا۔

بشیر اور چار یار ان کے ہیں موجود
نیاز و رحمت و رحمان و محمود

پہلی مرتبہ جب میں رائے پور گیا۔ تو میری متواتر تقریروں سے وہابیہ بہت تلملائے اور اشتہار بازی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے بڑے مولوی یٰسین صاحب نے ایک چیلنج مناظرہ مشتہر کر دیا۔ جس کی عبارت یہ تھی۔

" مولانا محمد بشیر صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ
آپ نے رائے پور میں جن مشرکانہ تقریروں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اہل توحید ان کو مسلمانوں کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ آج ہی رات کو جو آپ نے علم غیب پر تقریر کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اسی مسئلہ پر ہم سے مناظرہ کر لیں۔ آپ میدان میں علم غیب کو ثابت کریں۔ ہم بتائیں گے کہ اللہ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں "

عرصہ گذر جانے کے باوجود مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ میرے نام کے ساتھ "مولانا" اور

پھر آگے السلام علیکم ورحمۃ اللہ بھی لکھا تھا۔ رات کو جلسہ تھا۔ اور اس چیلنج کے باعث اجتماع بہت کثیر تھا۔ حتیٰ کہ وہابی بھی بکثرت آئے۔ میں نے وہی اشتہارِ چیلنج ہاتھ میں لیا۔ اور قرآن پاک یہ آیت پڑھی

قُلْ لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا (پ۱۰ ع ۱۳)

اور بتایا۔ کہ خدا اس آیت میں حکم فرماتا ہے "کہ کہہ دو ہمیں وہی کچھ پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا۔ وہ ہمارا مولا ہے۔"

دیکھ لیجئے۔ خدا یہ فرماتا ہے۔ کہ تم اللہ کو "مولانا" کہو۔ مگر یہ اشتہار دیکھئے۔ مولوی یٰسین صاحب نے اس میں مجھے "مولانا" لکھا ہے۔ مسلمانو! قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق تو سب کا "مولا" خدا ہے۔ مگر ان وہابیوں کا مولا میں ہوں۔ چنانچہ یہ دیکھئے۔ انہوں نے صاف لکھا ہے۔ "مولانا محمد بشیر"۔ اس کا معنیٰ ہے۔ ہمارا مولا محمد بشیر۔ حالانکہ قرآن پاک فرماتا ہے۔ کہ خدا کو کہو "ھو مولانا" مولانا خدا ہے۔" مگر باوجود اس آیت کے ان کا کیا یہ شرک نہیں؟ کہ اپنے مولویوں کو تو بھلا مولانا لکھتے ہی تھے۔ مجھے بھی مولانا لکھ دیا۔ اس شرک کی بھی کوئی حد ہے؟ کہ ان کا ایک مولا نہیں کئی مولا ہیں۔ جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔

اگر یہ لوگ اس بات کا یہ جواب دیں۔ کہ صاحب! حقیقی مولا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور آیت میں اسی مولائے حقیقی کا بیان ہے۔ اور مولویوں کو ہم مجازاً مولانا لکھتے ہیں۔ تو یہی ہمارا بھی جواب ہے ان آیات سے متعلق جن میں علم غیب کی ماسویٰ اللہ کے لیے نفی کی گئی ہے۔ کہ وہ علم علمِ حقیقی ہے۔ اور ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب تسلیم کرتے ہیں۔ وہ مجازی اور عطائی ہے۔

مسلمانو! اور سنو! ذرا ان لوگوں کی دو رنگی دیکھئے۔ شرک اتنا بڑا جرم ہے جسے خدا نے معاف نہ کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔

اس ارشاد کے مطابق تو مشرک خدا کی مغفرت و رحمت سے دور ہے۔ سلامتی و رحمت مشرک کے لیے ہے ہی نہیں۔ مگر راٹے پور کے ان برائے نام اہل توحید نے میری تقریروں کو مشرکانہ بھی کہا۔ اور مجھے مشرک سمجھتے ہوئے یہ بھی لکھا" السلام علیکم و رحمۃ اللہ" یعنی اے مشرک تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو" کیوں بھائیو! یہ کیا دو رنگی نہیں؟ لوگ جو بڑے محظوظ ہو رہے تھے۔ بیک زبان بولے" یقیناً دو رنگی ہے"۔ میں نے کہا۔ اسی لیے اہل سنّت کے نزدیک کسی بد مذہب سے السلام علیکم کہنے کی اجازت نہیں۔ اہل سنت ایسی دو رنگی اختیار نہیں کرتے۔

اس کے بعد پھر میں نے کہا۔ دوستو! میرے والد ماجد حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد شریف صاحب محدّث کے علم و فضل کو ایک دنیا جانتی ہے۔ میں ایک مثال پیش کروں۔ دیکھیے ہمارے سیالکوٹ میں اگر کوئی مولوی صاحب تشریف لائیں۔ اور ایک جلسہ عام میں مسلمانان سیالکوٹ سے کہیں۔ کہ مسلمانو! تم بڑے خوش نصیب ہو۔ کہ تمہارے ضلع میں ایک بہت بڑی عالم ہستی موجود ہے۔ ایسی ہستی جو علم حدیث و فقہ میں استاد العلماء ہے۔ جن کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک ہے۔ یہ مبارک ہستی حضرت مولانا محمد شریف صاحب کوٹلوی کی ہے"۔ میں نے کہا۔ میرے بزرگو! اس مقرر کی تقریر سن کر میں تو بے حد خوش ہوا۔ کہ اس نے میرے والد ماجد کی کیسی پیاری تعریف کی ہے۔ مگر مثال کے طور پر فرض کر لیجیے میرا ایک بڑا بھائی ہو۔ جس کا نام مولوی یٰسین ہو۔ وہ یہ تقریر سن کر جل بھن جائے۔ اور فوراً ایک چیلنج ان مولوی صاحب کے نام بھیج دے۔ جس میں یہ لکھے۔ کہ اے مولوی صاحب! آپ نے جو رات کو میرے والد کی اتنی لمبی چوڑی تعریف کی ہے۔ اور بڑا علم والا بنایا ہے۔ یہ غلط ہے۔ آپ میرے ساتھ مناظرہ کر لیں۔ اور میدانِ مناظرہ میں ثابت کریں۔ کہ میرے والد محدث و فقیہ اور بہت بڑے عالم ہیں اور میں یہ ثابت کروں گا

کہ وہ عالم نہیں ہیں۔

کیوں بھائیو! انصاف سے کہنا۔ میں تو جو والد ماجد کا چھوٹا بیٹا ہوں۔ اپنے والد کی تعریف سُن کر خوشی سے پھولا نہیں سمایا۔ مگر میرا بڑا بھائی جل بھن گیا۔ اور مناظرے کا چیلنج بھیجدیا۔ تو کیا میرا بڑا بھائی لائق ہوا یا نالائق؟

سارا مجمع بیک زبان بولا۔ نالائق! نالائق!!

میں نے پوچھا کون؟

مجمع بولا۔ مولوی یٰسین!

بس کچھ نہ پوچھیئے۔ یہاں بعض لوگوں کی کیا حالت ہُوئی۔ صبح سننے میں آیا۔ کہ وہابیوں نے اگر کسی سے اس بات کا ذکر کر کے شکوہ کیا۔ تو سننے والے نے جواب دیا۔ "وہ تو مولوی صاحب اپنے بڑے بھائی کا ذکر کر رہے تھے۔"

سبق

قرآن پاک کی بعض آیات میں تو یہ ہے۔ کہ علم غیب خُدا کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ اور بعض آیات میں اس علم کا ہونا دوسروں کے لیے بھی ثابت ہے اسی طرح بعض دیگر اوصاف بھی بعض آیات میں صرف اللہ کے لیے بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور پھر وہی اوصاف دوسری آیات میں دوسروں کے لیے بھی سنائے گئے ہیں۔ ان بعض آیات میں بظاہر تعارض و اختلاف نظر آتا ہے۔ جبکہ قرآن پاک تعارض و اختلاف سے پاک ہے۔ لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں۔ جن آیات میں نفی ہے۔ وہ نفی صفتِ حقیقی و ذاتی کی ہے۔ اور جن میں اثبات ہے۔ وہ اثباتِ مجازی و عطائی ہے۔ اس بات کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔ خدا تعالیٰ ایک مقام پر فرماتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (پ۱۲ ع۱) زمین پر چلنے والے کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔"

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ (پ۲ ع۱۴) اور بچے کے باپ پر عورتوں کا رزق اور پہننا ہے۔"

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ۔ (پ۴ ع۱۲) پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مساکین آجائیں۔ تو اس میں سے انہیں بھی رزق دو۔"

اسی طرح ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (پ۱ ع۱۳) اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (پ۶ ع۱۲) اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے ولی ہیں۔"

اور سنیئے۔ خدا فرماتا ہے:

بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (پ۲۶ ع۵) مسلمانوں کا مولیٰ اللہ ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ۲۸ ع۱۹) بیشک اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے۔"

یونہی ایک مقام پر فرمایا:

فَاِنَّ الْعِزَّۃَ جَمِیْعًا (پ۵ ع۱۷) عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا :

وَ لِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (پ۲۸ ع ۱۳) اور عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے۔"

ایک جگہ فرمایا :

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ (پ۲۸ ع ۶) یعنی اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے نہایت پاک اور سلامتی دینے والا۔"

مَلِكِ النَّاسِ (پ۳۰ ع ۳۹) یعنی اللہ سب لوگوں کا بادشاہ ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (پ۲ ع ۱۶) بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔"

ایک جگہ فرمایا :

اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۱ ع ۱۳) اللہ ہی کے لیے ہے آسمان و زمین کی بادشاہی۔"

دوسری جگہ فرمایا :

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ (پ۲ ع ۱۶) اور اللہ اپنا ملک (بادشاہی) جسے چاہے دے۔"

ایک مقام پر فرمایا :

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ (پ۲۵ ع ۶) اللہ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔"

دوسری جگہ فرمایا :

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (پ۱۶ ع ۵) (جبریل نے مریم سے کہا میں آیا ہوں)

"تاکہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (پ۲۲ ع۱۳) کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے؟ (یعنی کوئی نہیں)۔"

دوسری جگہ فرمایا:

وَاِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ (پ۳ ع۱۳) (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا (خلق کرتا) ہوں۔"

ایک مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (پ۲۴ ع۲) اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے۔" (روح قبض فرماتا ہے)۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ (پ۲۶ ع۷) جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے۔"

ایک جگہ خدا فرماتا ہے:

قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (پ۱۸ ع۲) (خدا نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا) کہو: اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتار۔ اور تو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

اَنِّیْٓ اُوْفِی الْکَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (پ۱۳ ع۲) (حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا) کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ماپتا ہوں اور میں سب سے بہتر اتارنے والا ہوں۔"

ایک مقام پر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ فاتحہ) یعنی سارے جہانوں کا رب اللہ ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (پ۱۲ ع ۱۳) (یوسف علیہ السلام نے فرمایا عزیز مصر میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔"

قرآن پاک کی ان سب آیات کو پڑھیئے۔ بظاہر ان میں تعارض و اختلاف نظر آتا ہے۔ مگر درحقیقت ان میں ہرگز کوئی تعارض و اختلاف نہیں۔ پہلی قسم کی آیات میں ان صفات کا حقیقی و ذاتی طور پر اللہ کے لیے اثبات ہے۔ اور دوسری قسم کی آیات میں اللہ کی عطاء سے اللہ کے بندوں میں ان صفات کا ثبوت ہے۔ ذاتی و عطائی کا جب تک امتیاز نہ کیا جائے گا۔ یہ تعارض نہ اٹھ سکے گا۔ اگر کوئی شخص پہلی ہی قسم کی آیات کو پیش نظر رکھے۔ تو پھر اسے ماننا پڑے گا۔ خدا کے سوا دنیا میں کوئی کسی کو کچھ دینے والا نہیں۔ کوئی کچھ بنا سکنے والا نہیں۔ کوئی کسی کا مددگار نہیں۔ کوئی عزت والا نہیں۔ کوئی حاکم و بادشاہ نہیں۔ کوئی کسی کا مالک نہیں۔ کوئی فرشتہ جان لینے والا نہیں۔ کوئی کسی کی پرورش کرنے والا نہیں۔ اور کوئی مہمان نواز نہیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں بدیہی طور پر غلط ہیں۔ اور غلط اسی لیے ہیں کہ ان سب باتوں کا دوسری قسم کی آیات سے ثبوت مل رہا ہے۔

اب آیئے اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر مسئلۂ علمِ غیب بھی سمجھ لیجیئے:

قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (پ۲۰ ع ۱)

غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔"

اور دوسری جگہ یوں فرمایا:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (پ۲۹ ع ۱۲) اللہ غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے

پسندیدہ رسولوں کے۔"

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (پ۴ ع ۹) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (تو ان برگزیدہ رسولوں کو غیب کا علم دیتا ہے)۔

پہلی آیت میں علم غیب جو ذاتی اور حقیقی ہے۔ اس علم ذاتی کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ہے اور دوسری آیات میں اللہ کے برگزیدہ رسولوں کے لیے یہ علم غیب اللہ کی دین اور عطا سے بتایا جا رہا ہے۔ گویا علم غیب حقیقی و ذاتی تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ اور مجازی و عطائی اُس کے پیارے رسولوں کو بھی حاصل ہے۔

فللّٰہ الحمد ۔

ہے علم غیب سرور عالم کو بالیقین
ایمان منکرین کا قرآن پر نہیں

حکایت نمبر ۴۳

بدعت

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ رائے پور (سی پی بھارت) میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم اجتماع سے میں نے خطاب کیا۔ صبح ایک ستّر سالہ بوڑھا نجدی میرے پاس آیا۔ سیاہ رو۔ تند خو۔ سر منڈا۔ اور سر لبر فتنہ، اس نے آتے ہی مجھ سے کہا:

صاحب! یہ جوراًت کو آپ لوگوں نے مجلس میلاد کے نام سے جلسہ کیا ہے۔ اور پھر قیام بھی کیا۔ یہ باتیں حضور کے زمانہ میں بھی تھیں؟

بوڑھے نجدی کے انداز بتا رہے تھے۔ کہ وہ استدلال کی زبان سے قائل نہیں ہوگا۔ اس کا صرف ایک علاج ہے۔

الزامی جواب! میں نے پوچھا

جو چیز حضور کے زمانہ میں نہ ہو، آپ اسے کیا کہتے ہیں؟

"بدعت"۔ بوڑھا بولا

تو کیوں بڑے میاں! آپ خود حضور کے زمانہ میں تھے؟

"نہیں"

تو پھر آپ چلتی پھرتی بدعت ہیں۔ اگر آپ بدعت کا خاتمہ چاہتے ہیں تو سب سے پہلے دنیا کو اپنے وجود سے پاک کر دیجئے۔

نجدی نے گھبرا کر پینترا بدلا۔ اور کہا

نہیں صاحب! جو امر حضور سے ثابت نہ ہو۔ وہ بدعت ہے۔

میں نے پوچھا۔ "آپ کی عمر کتنی ہے"؟

"ستر سال"۔ اس نے جواب دیا

آپ جانتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کتنی تھی؟

جانتا ہوں۔ لیکن حضور کی عمر کا بدعت سے کیا تعلق؟

"حضور کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ اور آپ کی عمر ستّر سال ہے۔ حضور سے تو عمر تریسٹھ سال ثابت ہے۔ اور آپ ستّر برس کے ہو کر ابھی تک جی رہے ہیں۔ آپ کے سات سال بدعت میں گزرے ہیں۔ مزا تو جب ہے کہ جو نجدی تریسٹھ سال کا ہو جائے، گلا گھونٹ کر مر جائے تاکہ ثابت ہو جائے کہ آپ لوگوں کو بدعت

سے نفرت ہے اور جو بات حضور سے ثابت نہ تھی وہ ان کو بھی پسند نہ تھی۔ اس لیے دُنیا سے تشریف لے گئے۔"

"نہیں جی! جو کام جس رنگ میں حضور نے نہ کیا ہو وہ بدعت ہے۔"

"جس طرز اور جس رنگ سے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پہلے یہ ثابت کریں کہ حضور اس رنگ میں تشریف فرما ہوئے ہوں۔

بڑے میاں بڑے گستاخانہ رنگ میں ایک زانو بچھائے اور دوسرا اُٹھائے ہاتھ لہرا لہرا کر باتیں کر رہے تھے۔ بڑے میاں نے جھٹ اپنی نشست بدلی اور دونوں زانو بچھا کر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا:

"اب جس طرز پر آپ بیٹھے ہیں۔ اس طرز کا ثبوت بھی دیجئے۔ ورنہ یہ طرز بھی بدعت ٹھہرے گی۔"

اب بڑے میاں نے تیسرا رنگ اختیار کیا۔ مگر میں نے اس کا ثبوت بھی طلب کیا تو وہ سٹ پٹا کر بولے:

"بیٹھنے بھی دو گے یا نہیں؟ بیٹھنا جب جائز ہے تو جس ڈھنگ سے بھی بیٹھوں، جائز ہے۔"

میں نے کہا

"آپ لوگ ذکرِ رسول بھی کرنے دو گے یا نہیں؟ ذکرِ رسول جب جائز ہے تو جس رنگ میں بھی ہم کریں جائز ہے۔

بڑے میاں واہی تباہی بکتے ہوئے چلے گئے۔ اور میں نے کہا ۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے نجدی کہ ہوں اُمت رسول اللہ کی

سبق

ہر امر خیر کو بدعت کہہ دینے والوں کو بدعت کا علم ہی نہیں کہ کسے کہتے ہیں۔ بدعت کی صحیح تعریف جو محدثین کرام نے لکھی ہے۔ وہ یہ ہے:

مَا اُحْدِثَ وَخَالَفَ كِتَابًا اَوْسُنَّةً اَوْاِجْمَاعًا اَوْاَثَرًا فَهُوَ الْبِدْعَةُ الْمَذْمُوْمَةُ وَمَا اُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ وَلَمْ يُخَالِفْ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ الْبِدْعَةُ الْمَحْمُوْدَةُ۔

(فتح الباری ج ۲۹ ص ۶۴۹)

یعنی جو ایسی نئی بات نکالی جائے۔ جو کتاب و سُنّت اور اجماع و اثر کے خلاف ہو۔ پس وہ بری بدعت ہے۔ اور جو نیک نئی بات ان چیزوں کے خلاف نہ ہو۔ وہ اچھی بدعت ہے۔"

یہ ہے۔ بدعت کا صحیح معنی۔ کہ ایسی نئی بات جس کی قرآن و حدیث میں ممانعت ہو۔ وہ بری بدعت ہے۔ اور جس نئی بات کی شریعت میں ممانعت نہ ہو۔ بلکہ اس کی اصل شریعت کی مطلوب ہو۔ وہ ہرگز بری بدعت نہیں۔ دیکھئے محفل میلاد میں کیا ہوتا ہے؟ تلاوت و نعت خوانی، ذکر و وعظ اور درود سلام۔ ان سب باتوں کی قرآن و حدیث میں کوئی ممانعت نہیں۔ بلکہ قرآن و حدیث میں ان امور کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ پھر اگر یہ سب امور محفل میلاد کی نئی شکل میں نظر آئیں۔ تو اس محفل کو بدعت کیوں کہا جائے؟

اور اگر ہر امر خیر جو نئی شکل میں نظر آئے۔ بدعت ہی ہے۔ تو پھر کئی ایسے کام جو نہ حضور کے زمانہ میں تھے۔ نہ صحابہ کے زمانہ میں۔ اور آج وہ سب خود ان بدعت کہنے والوں کے ہاں بھی مروّج ہیں۔ بدعت ہو جائیں گے۔ مثلاً سالانہ تبلیغی جلسے منعقد کرنا۔ تبلیغی ماہنامے۔ رسالے اور اخبارات جاری کرنا۔ اور ہر صبح بعد از نماز فجر درس

قرآن کا اہتمام کرنا وغیرہ یہ سب کام اس شکل وہیئت کے ساتھ حضور کے زمانہ میں نہ تھے۔ اس حقیقت کے باوجود یہ لوگ خود بھی یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ میں نے لکھا ہے ؎

یہ مدرسے۔ اسکول۔ یہ اخبار۔ رسالے
سرکار نے کھولے؟ یا صحابہ نے نکالے
یہ مُرغِ مُسَلّم یہ متنجن کے نوالے
سرکار نے کب کھائے ہیں؟ کر پیش حوالے

تم جو بھی کرو بدعت وایجاد روا ہے
اور ہم جو کریں محفلِ میلاد برا ہے

حکایت نمبر ۱۴۴
گیارہویں شریف

ایک مرتبہ چکوال کے ایک جلسہ میں گیا۔ تو ایک صاحب نے بتایا۔ کہ یہاں ایک مولوی آیا تھا۔ جس نے گیارہویں شریف کے خلاف یہ شعر پڑھے تھے۔ جو میں نے لکھ لیے تھے۔ وہ شعر یہ ہیں:

یہ گیارہویں یہ بارہویں — یہ کام اسلامی نہیں
ہرگز نہ دینا گیارہویں — اس سے خدا راضی نہیں
لیکن پکائے گر کوئی — تجھ کو بلائے گر کوئی
مشرک کی دولت جان کر — مالِ غنیمت جان کر

کھا لینا تم اس کو ضرور

اس میں نہیں ہے کچھ قصور

مجھ سے وہ کہنے لگے۔ کہ اپنی تقریر میں ان شعروں کا جواب ضرور دیں۔ رات کو میری تقریر تھی۔ اپنی تقریر میں سنانے کے لیے ان شعروں کا جواب میں نے شعروں میں ہی لکھ لیا۔ وہ شعر یہ ہیں :

بندہ مسلمان ایک تھا — جس کا عقیدہ نیک تھا

تھا غوث پر اس کو یقیں — اس نے پکائی گیارہویں

اور سادگی سے بے خبر — لے آیا اک ملا کو گھر

ملا تھا سنی ظاہراً — پکا وہابی باطناً

کھانے کی سن کر آ گیا — سب اس کے چاول کھا گیا

پھر پوچھنے کھا کر لگا — "دعوت تھی کیسی" یہ بتا

کہنے لگا وہ مرد دیں — تھی غوث کی یہ گیارہویں

نجدی نے جس دم یہ سنا — غصہ میں وہ جل بھن گیا

پھر اس سے یوں کہنے لگا — یہ شرک تو نے کیوں کیا

الفاظ سن لے تو مرے — چاول ترے ضائع گئے

نجدی بڑا چالاک ہے — چالاک اور بیباک ہے

پہلے تو چاول کھا گیا — پھر شرک کا فتوےٰ دیا

سنی نے پھر اس سے کہا — میرا بھی فتویٰ سنتا جا

چاول جو تو نے کھا لیے — بے شک، وہ ضائع ہو گئے

میرا تو کچھ بگڑا نہیں — مجھ کو تو کچھ پروا نہیں

ناغہ مرا اس پل سہی — یہ گیارہویں پھر کل سہی

اور آج میں سمجھوں گا یوں دل کو تسلی دوں گا یوں

کُتّا مرے گھر آ گیا

سب میرے چاول کھا گیا

سبق

علماء اہلسنّت کبھی ایسی بات نہیں کرتے جس سے فتنہ پیدا ہو۔ ہمیشہ مدافعت میں بولتے ہیں۔ مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی بنانا اور ان پر شرک کے فتوے لگانا نجدیوں کا شیوہ ہے۔ گیارہویں شریف کو نہ صرف ناجائز بلکہ حرام کہہ دینا۔ اور گیارہویں شریف پکانے والوں کو بدعتی و مشرک کہنا ان کا وطیرہ ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ گیارہویں کے چاول کھا بھی جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جواب انہی کی زبان میں دینا جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا کے مطابق ہے۔ ؎

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

حکایت نمبر ۴۵

کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے

ایک مرتبہ ڈریالہ جالب ضلع جہلم جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں تقریر کرنے کے بعد سٹیج پر ہی اکثر احباب ملاقات کے لیے جمع ہو گئے۔ اور مختلف مسائل پر گفتگو ہونے لگی۔ اتنے میں ایک دیوبندی ٹیچر بولے۔ اور کہا۔ مولوی صاحب! میرے خیال میں کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ میں نے جواب دیا۔ تو پھر آپ کو

چاہیئے کہ آپ فرعون وہامان. ابوجہل وابولہب کو بھی اچھا ہی کہا کریں۔ تو بولے صاحب میرا مطلب تو یہ ہے۔ کہ کسی کلمہ گو کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ میں نے جواب دیا۔ تو پھر آپ مرزائیوں. چکڑالویوں اور روافض کو بھی اچھا کہیئے۔ کہنے لگے۔ اچھا صاحب! آپ کی مرضی آپ بُرا کہیں۔ میں تو ہر کلمہ گو کا غلام ہوں۔ میں نے کہا کیا واقعی ہر کلمہ گو کے آپ غلام ہیں؟ بولے بیشک۔ میں نے کہا۔ آپ کی بیوی بھی تو کلمہ گو ہی ہے۔ کہنے لگے الحمدللہ! میں نے کہا تو پھر کیا آپ اپنی بیوی کے بھی غلام ہیں؟ اس پر سب لوگ ہنس پڑے۔ اور میں نے کہا کہ بعض کلمہ گو افراد کو بھی زیر کرنا ہی پڑتا ہے۔

سبق

"کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے" ایک فیشنی جملہ ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے؛ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ جب تم قرآن پڑھو۔ تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔" یعنی قرآن پڑھنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ پڑھ لیا کرو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ رجیم کا معنی مردود ہے۔ اور مردود بُرا ہی ہوتا ہے۔ تو خدا نے گویا یہ فرمایا ہے۔ کہ قرآن پڑھنے سے پہلے شیطان کو بُرا کہہ لیا کرو۔ تو کیا یہاں بھی یہی کہا جائے گا۔ کہ "میرے خیال میں کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے" ایسے لوگ کیا اعوذ باللہ کا پڑھنا بھی چھوڑ دیں گے؛ شیطان نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو خدا نے اسے فرمایا تھا۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ۔ نکل جا جنّت سے کہ تو مردُود ہے۔" اور پھر فرمایا۔ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ۔ قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔" بالفرض وہاں اگر کوئی ایسا صلح کلی ہوتا۔ تو کہتا "میرے خیال میں کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے"۔ اور پھر خدا سے بھی یوں کہتا۔ کہ یا اللہ تو شیطان کو بُرا کہتا ہے تو کہہ لے میرے لیے تو تم دونوں ہی اچھے ہو۔ تو یقیناً ایسے

صلح کلی کو بھی شیطان کے ساتھ ہی نتھی کر کے نکال دیا جاتا۔ اور شیطان پر لعنتوں کا اُسے بھی برابر کا حصّہ دار بنا دیا جاتا۔

"کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے" کہنے والے" حسب ذیل آیات و احادیث سنیں۔ خدا فرماتا ہے:

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ۔ کیا ہی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں"۔ اس آیت میں اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کی مثال کو برا کہہ کر اُن جھٹلانے والوں کو اللہ نے بُرا کہا ہے۔

بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔ کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا"۔ اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے۔ کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی ہنسی بنا کر اس کا نام بگاڑے گا۔ وہ مسلمان ہو کر فاسق ہو جائیگا اور فاسق بہت بُرا ہے"۔ دیکھ لیجئے۔ خدا نے کلمہ گو مسلمان کو صرف اس لیے کہ اس نے دوسرے مسلمان کا ہنسی سے نام بگاڑا ہے۔ برا کہا ہے۔

سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ وہ بہت ہی بُرا کام کرتے ہیں"۔ اس آیت میں خدا نے بُرے کام کرنے والوں کو بُرا کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ۔ بُرا ہے وہ آدمی جس نے تکبّر کیا"۔

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ۔ بُرا ہے وہ آدمی جس نے جبر و قہر کیا"۔

بِئْسَ الْعَبْدُ سَهَا وَلَهَا۔ بُرا ہے وہ آدمی جو حق سے غافل ہُوا اور لہو و لعب میں مشغول ہُوا۔

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغٰى۔ بُرا ہے وہ آدمی جس نے تکبّر کے ساتھ

حد سے تجاوز کیا۔
بِئْسَ الْعَبْدُ يَخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ ۔ بُرا ہے وہ آدمی جس نے دین کے بدلے دنیا طلب کی۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۴۲۶)
حدیث میں اور کئی بروں کی بھی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ گو مسلمانوں کو ہی ان بُرے کاموں کے ارتکاب کے باعث برا فرمایا ہے۔
مذکورہ بالا خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سامنے رکھئے۔ اور پھر دیکھئے۔ کیا کسی مسلمان کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ "میرے خیال میں کسی کو برا نہیں کہنا چاہیئے"۔

کس لیے جھوٹے کو ہم سچا کہیں
جو بُرا ہے اس کو کیوں اچھا کہیں

حکایت نمبر ۴۶
بُرے کو بُرا کہنا

جالندھر کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ انٹر کلاس میں بیٹھا تھا۔ دیکھا اس ڈبہ میں ایک بڑا ہی باتونی خاکسار علماء کے خلاف بول رہا ہے۔ لوگ اس کی باتیں سن رہے ہیں۔ اور وہ علماء کو "مولوی" کہہ کہہ کر کوس رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے۔ کہ "مولوی" کا وجود قوم و ملت کے لیے خطرناک ہے۔ اسے مٹا دینا چاہیئے۔ الغرض وہ جی بھر کے علماء کو بُرا کہہ چکا۔ تو میں اپنی نشست سے

اُٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھا اور اس سے پوچھا۔ آپ جو مولوی کے خلاف تقریر کر رہے ہیں۔ اور مولوی کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگا۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف وعظ کرتے اور قوم کو بھڑکاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے اور دوسروں پر کفر کے فتوے لگاتے پھرتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا۔ جناب! آپ بھی تو اس وقت اسی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ آپ اس مجمع میں مولویوں کے خلاف وعظ کر رہے ہیں۔ اور ان مسافروں کو بھڑکا رہے ہیں۔ مولویوں کو جی بھر کر بُرا کہہ رہے ہیں۔ اور ان پر یہ فتویٰ جڑ رہے ہیں۔ کہ ان کا وجود قوم وملّت کے لیے خطرناک وجود ہے۔ جو عیوب بزعم خویش آپ مولویوں میں بیان کر رہے ہیں وہ سب کے سب آپ میں بھی پائے جا رہے ہیں۔ پھر اگر کوئی آپ کے لیے بھی یہی سب کچھ کہے۔ جو اس وقت آپ مولویوں کے لیے کہہ رہے ہیں۔ تو کیا یہ بات غلط تو نہ ہو گی؟

میری اس بات پر وہ چونکا ہوا۔ اور میری یہ بات دیگر مسافروں نے بھی دلچسپی سے سُنی۔ کہنے لگا۔ مولوی تو بری حرکتیں کرتے ہیں۔ اسی لیے میں ان کو بُرا کہہ رہا ہوں۔ میں نے کہا تو پھر تسلیم کیجئے کہ جسے بری حرکتیں کرتے دیکھا جائے۔ اس کو بُرا کہنا اور اس کے خلاف بولنا بُرا نہیں۔ اگر آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر آپ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ مولوی بھی جنہیں بری حرکتوں کا مرتکب دیکھتے ہیں۔ انہیں کو بُرا کہتے اور ان کے خلاف بولتے ہیں۔ اگر بُرے کو بُرا کہنا بُرا نہیں۔ تو پھر مولوی کا بھی بُرے کو بُرا کہنا بُرا نہیں۔ اور اگر بُرے کو بھی بُرا کہنا بُرا ہے۔ تو پھر آپ کا بھی مولوی کو بُرا کہنا بُرا ہے۔ لہٰذا آپ بھی مولوی کے خلاف بولنا بند کر دیں۔ میری یہ بات اس کے لیے کچھ ایسی گورکھ دھندا ثابت ہوئی۔ کہ وہ بہتیرے ہاتھ پیر مارتا رہا۔ مگر اس میری گرفت سے نکل نہ سکا۔ اور دیگر مسافر بھی جو اس کی باتیں سن رہے تھے میرے ہم نوا ہو کر

اس سے کہنے لگے۔ دیکھئے نااان کی اس بات کا جواب۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اور اگلے اسٹیشن پہ اتر گیا۔

سبق

آج کل جس طرح داڑھی منڈانا۔ سینما دیکھنا۔ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا فیشن ہے۔ اسی طرح "مولوی" کے خلاف بولنا بھی فیشن میں داخل ہے۔ مولوی کا سب سے بڑا قصور یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کو برا کہتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ دشمنانِ مولوی جب مولوی کے خلاف بول رہے ہوتے ہیں۔ تو اس وقت وہ بھی اسی جرم کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ جو ان کے زعم میں مولوی کا جُرم ہے۔ اور انہیں اپنی اس حماقت کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ کہ جس بنیاد پر وہ مولوی کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر وہ خود بھی کھڑے ہیں۔ اور وہ بھی وہی کام کر رہے ہیں۔ جو ان کی نظر میں برا ہے۔ سچ ہے ؎

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

حکایت نمبر ۱۴۷

داڑھی کی بات

جس زمانہ میں مَیں راولپنڈی آرسنل میں خطیب تھا۔ اس زمانہ میں خاکسار تحریک زوروں پر تھی۔ اور خاکساروں کا ہدف "مولوی" تھا۔ لال کڑتی کے پوسٹ ماسٹر خاکسار تحریک سے متاثر ہو گئے۔ وہ ماڈرن قسم کے مسلمان تھے۔ داڑھی مونچھ کا ہر روز بڑے اہتمام سے صفایا کرتے تھے۔ میری ڈاک لال کڑتی کے پوسٹ آفس

ہی میں آتی۔ اور میں بعض اوقات اپنی ڈاک لینے خود پوسٹ آفس میں پہنچ جایا کرتا تھا۔ پوسٹ ماسٹر صاحب سے میری اچھی جان پہچان ہو گئی۔ وہ مجھے "مولوی" دیکھ کر بعض اوقات کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے۔ اور کچھ وقت بحث میں گزر جاتا۔

ایک روز انہوں نے داڑھی کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اور کہنے لگے۔ آپ لوگ داڑھی رکھنے پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں۔ ایمان نام ہے دل سے مان لینے کا۔ جس کے دل میں ایمان ہے۔ اس کے منہ پر داڑھی نہ بھی ہو تو کیا ہے؟ آپ کی نظر باہر ہی باہر رہتی ہے۔ اندر بھی دیکھ لیا کیجئے۔ میں نے کہا۔ بابو صاحب! میں اگر آپ سے ایک لفافہ خریدوں اور اپنے کسی عزیز کی طرف تفصیل سے خط لکھ کر لفافہ کے اندر بند کر دوں۔ اور باہر لفافہ کے اوپر ایڈریس نہ لکھوں اور آپ کے سپرد کر دوں۔ تاکہ وہ مکتوب الیہ تک پہنچا دیا جائے۔ تو کیا آپ اس ایڈریس سے خالی لفافہ کو قبول کر لیں گے؟ کہنے لگے۔ نہیں اس پر ایڈریس کا لکھا ہونا تو ضروری ہے۔ میں نے کہا مگر جس لفافہ کے اندر تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا سارا مضمون موجود ہے۔ اس کے اوپر اگر ایڈریس نہ بھی ہو۔ تو کیا ہے؟ کیا میں بھی آپ سے یہ بات نہ کہہ سکوں گا۔ کہ آپ کی نظر باہر ہی باہر رہتی ہے۔ لفافہ کے اندر بھی دیکھ لیا کیجئے۔ جب اندر سب کچھ لکھا ہوا موجود ہے۔ تو پھر باہر بھی کچھ لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

بابو صاحب بات سمجھ گئے۔ اور ہنس کر بولے۔ تو داڑھی کیا ایڈریس ہے؟

میں نے کہا: ہاں یوں ہی سمجھ لیجئے۔ کہنے لگے۔ پھر پورا اور مکمل ایڈریس تو سکھوں کا ہے۔ میں نے کہا انہوں نے تو لفافہ پر پوری دوات ہی انڈیل ڈالی ہے۔ جس سے سارا لفافہ سیاہ ہو گیا ہے۔ اور ایڈریس پڑھا ہی نہیں جاتا۔ آپ نے اپنے لفافہ پر کچھ لکھا ہی نہیں۔ اور سکھوں نے دوات انڈیل کر ایڈریس پڑھنے کے قابل ہی نہیں رہنے دیا۔ صحیح ایڈریس آپ کو "مولوی" ہی کے منہ پر نظر آئے گا۔ نہ بالکل کورا اور نہ بالکل سیاہ۔

سبق

آج کل یہ وبا بھی عام ہے۔ کسی سے اگر ظاہری شکل و صورت بھی مسلمانوں کی سی بنانے کو کہا جائے۔ تو وہ جواب دیتا ہے۔ شکل و صورت کو چھوڑیئے۔ دل صاف ہونا چاہیئے۔ آپ ہمارا اندر دیکھیں۔ اندر سے ہم پورے مسلمان ہیں۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا۔ حضور میرے گھر چلئے۔ میں نے ایک بھینس خریدی ہے۔ اُس کے لیے دُعا فرما آیئے۔ پیر صاحب اس کے گھر پہنچے۔ تو صحن میں ایک گدھا بندھا ہوا دیکھا۔ مرید نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حضرت! یہ ہے بھینس! دعا فرمایئے پیر صاحب نے کہا۔ ارے یہ تو گدھا ہے۔ مرید بولا۔ حضور! اس کی شکل و صورت کو نہ دیکھیں۔ اس کا اندر دیکھیں۔ یہ اندر سے پوری بھینس ہے۔ پیر صاحب نے لاحول پڑھی۔ اور فرمایا۔ نادان! اگر یہ اندر سے بھینس ہوتی۔ تو باہر سے بھی بھینس ہی نظر آتی۔ باہر سے جو گدھا نظر آتا ہے۔ اندر سے بھی وہ سو فیصد گدھا ہی ہے۔

پس اے مسلمانو! اندر و باہر سے پورے پورے مسلمان بنو۔ خدا بھی یہی فرماتا ہے۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ؎

اے مسلماں! دیکھ تجھ کو نیک ہونا چاہیئے
ظاہر و باطن تمہارا ایک ہونا چاہیئے

حکایت نمبر ۹۸
مولوی ظفر علی صاحب اور علامہ مشرقی

"علامہ" مشرقی کے خاکساروں کا دورِ عروج تھا۔ اور مولوی ظفر علی صاحب اپنے اخبار

زمینداریں ان کی بڑی حمایت کر رہے تھے۔ انہی دنوں واڑہ عالم شاہ ضلع گجرات میں اسلامیہ سکول کے سالانہ جلسہ میں مجھے بھی مدعو کیا گیا۔ میں وہاں پونچا۔ تو معلوم ہوا، کہ مولوی ظفر علی بھی آئے ہوئے ہیں۔ میری تقریر کے بعد کھانے کا ٹائم ہوا۔ تو کھانا کھاتے ہوئے مولوی ظفر علی مجھ سے کہنے لگے۔ مولانا! آپ کی تقریر سن کر میں بہت محظوظ ہوا ہوں۔ اگر آپ سیاست کے میدان میں آجائیں۔ تو بہت اچھا ہو۔ میں نے کہا۔ مگر میری اور آپ کی سیاست میں بہت فرق ہے۔ بولے، وہ کیا؟ میں نے کہا۔ آپ علامہ مشرقی کے حامی ہیں۔ اور میں مخالف! مولوی ظفر علی کہنے لگے۔ واللہ باللہ! میں خود مشرقی کو کوئی با اصول آدمی نہیں سمجھتا۔ یہ تو ایک ہندوؤں کی سنگھٹن کے مقابلہ میں اس کی تنظیم کو دیکھ کر میں اس کی حمایت کرتا ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد بدیہہ گو مولوی ظفر علی نے اپنے ایک رفیقِ سفر سے کہا لو بھئی! ایک نظم ہو رہی ہے۔ لکھتے جاؤ۔ چنانچہ اس نے کاغذ قلم سنبھالا۔ اور مولوی صاحب نے شعر کہنے شروع کئے۔

میں نے ان کی بدیہہ گوئی کو دیکھا۔ اور لطف پایا۔ مولوی صاحب نے مطلع یہ لکھوایا:

قسم ہے سرورِ عالم کی اُس ذاتِ گرامی کی
کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

تھوڑی دیر کے بعد پھر یہ شعر لکھوایا

خدا تہذیبِ مغرب سے بچائے مردِ مومن کو
اُٹھا دی ہے تمیز اس نے حلالی اور حرامی کی

پھر ابوالکلام آزاد صاحب کی کانگرس پرستی کو لتاڑا۔ اور کہا

جہاں اسلام کا نام آئے تو خاموش رہتا ہے
قسم ہے مجھ کو اے آزاد تیری بو الکلامی کی

اس موقعہ پر میں نے ان سے کہا۔ جناب! ابھی ابھی آپ کہہ رہے تھے۔ کہ مشرقی کوئی با اصول آدمی نہیں، ابو الکلام آزاد کے بعد ذرا ان کا ذکر بھی ہو جائے۔ تو جھٹ بولے ہاں لکھو

ہمارا مشرقی ابلق بہت ہی تیز ہے لیکن
شکایت شہ سواروں کو ہے اس کی بد لگامی کی

پھر کہا

نہیں تخصیص شیخ و برہمن کی ان کے مسلک میں
ہے بارش سب پہ یکساں خاکساروں کی سلامی کی

مولوی صاحب لاہور گئے۔ تو اپنے اخبار زمیندار میں یہ نظم شائع کی۔ تو مشرقی سے متعلق یہ دو شعر اس میں شائع نہ کیے۔ میں یہ دیکھ کر حیران نہیں ہوا۔ اس لیے کہ لیڈروں کی سیاست اسی قسم کی ہوتی ہے۔

سبق

مشرقی کی تحریک کے بعض بظاہر حامی بھی دل سے اسے نہیں چاہتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ آج کل کی سیاست یہی کچھ سکھاتی ہے۔ کہ دل میں کچھ اور رکھو۔ اور زبان سے کچھ اور کہو ؎

سیاست کا یہی ہے آجکل طور
زبان پر اور کچھ اور دل میں کچھ اور

حکایت نمبر ۱۴۹

چوکیدار

"علامہ مشرقی کی تحریک کے دورِ شباب کے وقت میں راولپنڈی آرسنل میں خطیب تھا۔ شہر کی جامع مسجد کے خطیب مولانا مولا بخش صاحب تھے۔ جو ان دنوں بڑے مشہور واعظ اور سُنّی عالم تھے۔ خاکسار تحریک کا ہدفِ اول "مولوی" تھا۔ مشرقی کا کتابچہ "مولوی کا غلط مذہب" سینکڑوں کی تعداد میں تقسیم کیا جارہا تھا۔ مولانا مولا بخش اور میں دونوں مختلف مقامات کے جلسوں میں خاکساروں کے الزامات کا جواب دے رہے تھے۔ ایک روز لال کڑتی کے ایک جلسہ میں ہم دونوں پونچے تو ایک صاحب نے ہمیں بتایا۔ کہ یہاں کے ایک محلہ کے امام مسجد مولوی صاحب خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے ہیں۔ خاکسار بڑے خوش ہیں۔ کہ ایک مولوی ہمارے ساتھ مل گیا ہے۔ اس نے بتایا۔ کہ وہ مولوی بھی اس جلسہ میں شریک ہے۔ ممکن ہے وہ کچھ گڑبڑ کرے۔ یا کوئی سوال کرے۔ ہم نے کہا۔ کوئی بات نہیں۔ اگر کچھ پوچھے گا۔ تو جواب پالے گا۔

پہلے میں تقریر کے لیے اُٹھا۔ اور میں نے اثناءِ تقریر میں کہا۔ کہ اس پُرفتن دور میں جو بھی نیا فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بانی کا پہلا وار "مولوی" پر ہوتا ہے۔ مرزا اُٹھا تو اس نے لکھا۔ "اے فرقہ بدذات مولویاں" روافض بھی یہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مولویوں نے قتل کرایا۔ اسی طرح اب خاکسار تحریک کا بھی پہلا وار مولوی پر ہے۔ اور یہ لکھا اور کہا جارہا ہے کہ "مولوی کا غلط مذہب۔"

حضرات ! آپ جانتے ہیں کہ ہر مفتن کا پہلا وار مولوی پر کیوں ہوتا ہے ؟ ۔
سنیئے ! مولوی مسلمانوں کے متاعِ ایمان کا محافظ و چوکیدار ہے ۔ جس طرح اہلِ محلہ اپنے مال و متاع کی حفاظت کے لیے چوکیدار مقرر کر لیتے ہیں ۔ اور وہ چوکیدار دن رات ان کے مال و متاع کی حفاظت کرتا ہے ۔ اور چور کو نزدیک نہیں آنے دیتا اہل محلہ رات بھر سوتے ہیں ۔ اور وہ جاگتا ہے ۔ اور ان کے مال و متاع کی حفاظت کرتا ہے ۔ ظاہر ہے ۔ کہ رات کو جو چور ان کا مال و متاع لوٹنے آئے گا ۔ وہ چوکیدار کو اپنے مقصد کی راہ میں رکاوٹ دیکھ کر پہلا حملہ چوکیدار پر کرے گا ۔ کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ جب تک یہ چوکیدار باقی ہے ۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح مولوی مسلمانوں کے گرانقدر متاعِ ایمان کا چوکیدار ہے ۔ مسلمانوں کے اس متاعِ ایمان کو لوٹنے کے لیے جو بھی اٹھتا ہے ۔ وہ اپنے سامنے "مولوی" کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور سب سے پہلا وار مولوی پر کرتا ہے ۔ کیونکہ اسے علم ہوتا ہوتا ہے ۔ کہ جب تک مولوی باقی ہے میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا ۔
میں اتنا ہی بیان کرنے پایا تھا ۔ کہ وہی "مولوی" اُٹھا اور کہنے لگا ۔
مولوی صاحب ! اور اگر کوئی مولوی ہی خاکسار ہو گیا ہو تو ؟
میں نے برجستہ جواب دیا :
کئی غدار چوکیدار بھی چوروں سے مل جاتے ہیں ۔ اور ایسا غدار چوکیدار بھی پکڑا جاتا ہے ۔
میرے اس جواب سے نعرہائے تکبیر و رسالت بلند ہوئے ۔ اور وہ مولوی جلسہ سے نکل گیا ۔

سبق

" مولوی " مسلمانوں کے متاعِ ایمان کا محافظ و چوکیدار ہے ۔ چوکیدار سو نے

والوں کو جگاتا ہے۔ "مولوی" بھی اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوم کہہ کر سونے والوں کو جگاتا ہے۔ چوکیدار کو چور اپنی راہ کا روڑا سمجھتے ہیں۔ اور مولوی کو ملحدین اپنی راہ کا سنگ گراں سمجھتے ہیں۔ حکومت چوکیدار کی سرپرست و طرفدار ہوتی ہے۔ اسی واسطے آج تک چوروں کا گروہ "چوکیدار" کو ختم نہیں کر سکا۔ اسی طرح مولوی کا حامی و ناصر خود خدا ہے۔ اسی واسطے ملحدین آج تک "مولوی" کو ختم نہیں کر سکے۔ اور خود ختم ہوتے اور ہو رہے ہیں۔ مگر مولوی جوں کا توں موجود ہے۔ اور موجود رہے گا۔ دیکھئے۔ آج اگر کوئی وزیر ہے۔ تو کل کرسی وزارت چھن جانے کے بعد وہ وزیر سے "سابق وزیر" بن جاتا ہے۔ مگر "مولوی" ہمیشہ سے "مولوی" ہی ہے۔ اور "مولوی" ہی رہے گا۔ آج تک کسی "مولوی" کے ساتھ آپ نے "سابق" کا دم چھلا لگا ہوا نہ دیکھا ہو گا۔ یعنی کبھی نہ سنا ہو گا کہ فلاں صاحب "سابق مولوی" ہیں۔ مولوی پہلے بھی مولوی تھا۔ اب بھی مولوی ہے اور کل بھی مولوی ہی رہے گا۔

حق تعالیٰ مولوی کے ساتھ ہے\
اِس پہ اس کی رحمتوں کا ہاتھ ہے

حکایت نمبر ۵۰
ایک عیسائی سے گفتگو

ہمارے قصبہ کوٹلی لوہاراں کے پوسٹ آفس میں ایک مرتبہ ایک عیسائی پوسٹ ماسٹر متعین ہوئے۔ ان کا نام یوسف مسیح تھا۔ ان دنوں ماہِ طیبّہ جاری تھا۔ اس سلسلہ میں پوسٹ آفس میں اکثر جانا پڑتا۔ یوسف مسیح کو مذہب سے کچھ لگاؤ تھا۔

ایک روز مجھ سے کہنے لگا۔ اجازت ہو۔ تو کچھ پوچھوں؟ میں نے کہا۔ شوق سے پوچھئے۔ کہنے لگا۔ مولوی صاحب! خدا تعالیٰ کا کوئی باپ ہے؟ میں نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے۔ اور نہ وہ کسی کا باپ ہے"۔ میرا جواب سُن کر یوسف مسیح بولا۔ مولوی صاحب! یسوع مسیح کا بھی تو کوئی باپ نہ تھا۔ جسے آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر یسوع مسیح کو خدا کیوں نہ کہا جائے؟ میں نے کہا۔ پوسٹ ماسٹر صاحب! آپ نے ایک غلط اصول مقرر کر لیا ہے۔ میں نے یہ کہا ہے۔ کہ جو خدا ہے۔ اس کا کوئی باپ نہیں۔ اور آپ نے اصول یہ بنا لیا ہے۔ کہ جس کا باپ نہ ہو وہ خدا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ دیکھئے میں اگر یہ کہوں۔ کہ جو انسان ہے وہ زمین پر چلنے والا ہے۔ تو اس میرے جملہ سے اگر آپ یہ نتیجہ نکال لیں۔ کہ جو زمین پر چلنے والا ہے۔ وہ انسان ہے۔ تو کیا یہ صحیح ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ زمین پر تو گھوڑا گائے۔ بندر وغیرہ بھی چلتے ہیں۔ میں نے یہ کہا ہے۔ کہ جو خدا ہے اس کا کوئی باپ نہیں۔ یہ نہیں کہا۔ کہ جس کا باپ نہ ہو۔ وہ خدا ہے۔ پوسٹ ماسٹر صاحب میری بات توجہ سے سُن رہے تھے۔ اور میں بتا رہا تھا۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہ ہونا ان کے خدا ہونے کی دلیل ہے۔ تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی خدا مانیے۔ بلکہ ان کی تو ماں بھی نہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تو تھی۔ جبکہ جو خدا ہے اس کا نہ کوئی باپ ہے نہ ماں۔ گویا یہ دونوں باتیں حضرت آدم علیہ السلام میں تو پائی جاتی ہیں۔ کہ ان کا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صرف باپ کا نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ ماں کا نہ ہونا نہیں پایا جاتا۔ پوسٹ ماسٹر صاحب اس طرح تو پھر پورے خدا (معاذ اللہ) حضرت آدم ہوئے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اور پھر سنیئے۔ کہ اگر آپ کا وضع کردہ اصول درست ہو۔ کہ جس کا باپ نہ ہو۔ وہ خدا ہے۔ تو کئی حشرات الارض ایسے بھی ہیں۔ جو بغیر ماں باپ کے خدا پیدا فرما دیتا ہے۔

ساون بھادوں کے مینڈک ہی دیکھ لیجئے۔ کس طرح بغیر ماں باپ کے ڈھلے ڈھلائے اور موٹے تازے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیا آپ اپنا اصول یہاں بھی استعمال کریں گے؟
پوسٹ ماسٹر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ کم از کم اتنا تو ماننا پڑے گا کہ خدائی وصف یسوع مسیح میں ہے۔ اسی طرح ایک اور وصف بھی ہے جو یسوع مسیح ہی میں ہے۔ دوسرے کسی میں نہیں۔ اور وہ ہے یسوع مسیح کی بیوی کا نہ ہونا جبکہ یہ بھی خدا کا ایک وصف ہے۔ کہ خدا کی کوئی بیوی نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ کہ یہاں بھی آپ نے وہی اپنا غلط اصول استعمال کر لیا۔ کہ جس کی بیوی نہ ہو۔ وہ خدا ہے۔ گویا آدمی جب تک کنوارہ رہے۔ خدا ہے۔ شادی کر لے تو خدا نہ رہا۔ اور کئی لوگ جو عمر بھر کنوارے کے کنوارے ہی رہ جاتے ہیں۔ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے
پھر میں نے ان سے کہا۔ کہ پوسٹ ماسٹر صاحب! مجھے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ اور خوب سمجھ سوچ کر دیجئے۔ سوال یہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی شادی نہیں کی۔ اور بیوی گھر نہیں لائے۔ یہ کام اچھا ہے یا بُرا؟ میرے اس سوال پر وہ سوچنے لگے۔ اور کچھ بولے نہیں۔ اس لیے کہ اپنے پیغمبر کے کام کو بُرا تو وہ کسی صورت کہہ نہیں سکتے تھے۔ اور اچھا بھی نہیں کہہ رہے تھے۔ غالباً وہ کوئی نتیجہ اخذ کر چکے تھے۔ میں نے خود کہا۔ کہ یہ کام بُرا تو کہا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ وہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کا یہ کام اچھا تھا۔ تو پوسٹ ماسٹر صاحب! پیغمبر دنیا میں اس لیے آتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو اچھا کام کرنے کی تلقین کرے۔ خود اچھا کام کر کے امت کو بھی اپنی سنت پر چلنے کی تاکید کرے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اچھا کام کر کے گویا اپنی امت کو بھی تلقین فرمائی ہے۔ کہ تم بھی میری سنت کے مطابق اپنی شادی نہ کرو۔ اور بیوی گھر نہ لاؤ۔ پوسٹ ماسٹر صاحب! اگر آپ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں۔ اپنے پیغمبر کی اس سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ تو نتیجہ ظاہر کہ چند دنوں ہی

میں عیسائی حضرات دنیا سے نابود اور ختم ہو جائیں گے۔ یہ جو کروڑوں کی تعداد میں عیسائی افراد دنیا میں موجود ہیں۔ سوچئے کہ یہ کس پیغمبر کی سنّت پر عمل کرنے کا بابرکت نتیجہ ہے؟ پوسٹ ماسٹر صاحب! نکاح کرنا یہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ اور آپ لوگوں کی بقا صدقہ ہے اسی ہمارے حضور کی سنت پر عمل کرنے کا۔ اگر آپ اپنے پیغمبر کی سُنّت کو اپنا لیں۔ تو یقیناً آپ ختم ہو جائیں گے۔ پوسٹ ماسٹر صاحب! یہ بات بھی یاد رکھیئے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے جب نازل ہونگے تو نکاح کریں گے۔ اور ان کے بچے بھی پیدا ہوں گے۔ گویا ہمارے حضور کی سُنّت پر وہ بھی عمل کریں گے۔

یوسف مسیح مسکراتے ہُوئے بولا۔ شادی تو میری بھی ہو چکی ہے۔ بچے بھی ہیں۔ اور یہ آپ کا خیال ہے کہ یسوع مسیح بھی شادی کریں گے اور ان کے بچّے بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا ہو سکتا ہے نہیں ہو کر رہے گا۔ اور پوسٹ ماسٹر صاحب! آپ کے خیال میں اگر یسوع مسیح واقعی خدا ہیں۔ تو پھر ان کی شادی بھی ہونے اور بچّے بھی ہونے پر یوں کہنا کہ "ہو سکتا ہے"۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جو خدا ہے اس کی شادی ہو اور بچے بھی ہوں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس نے بعد پوسٹ ماسٹر صاحب نے میری اس گفتگو پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور دل کا حال اللہ جانتا ہے۔ کہ ان کے دل میں کیا تھا۔

سبق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے۔ ہاں اللہ کے برگزیدہ اور سچے پیغمبر اور رسول ہیں۔ جو لوگ انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ غلط کہتے ہیں۔

قرآن پاک نے ان کی اپنی زبان سے اپنے بندۂ خدا ہونے اور نبی ہونے کا اعتراف بیان فرمایا ہے۔ آپ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ آتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا - میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے ۔

حضرت عیسیٰ خدا ہرگز نہیں
اس خدا کے ہیں نبی وہ بالیقیں

حکایت نمبر ۱۵

فضول تاویل

اُچ شریف ریاست بہاولپور میں دیوبندی حضرات کے ایک جلسہ کے جواب میں اہلسنت نے بھی ایک جلسہ کا انعقاد کیا۔ اور مجھے بھی بلایا۔ وہاں پونچکر معلوم ہوا۔ کہ ایک دیوبندی مولوی نے جو امرتسر سے آیا تھا۔ تقویۃ الایمان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق عبارت "میں بھی مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہا۔ کہ اس عبارت میں لفظ "میں" کا معنی "سے" ہے۔ یعنی "مٹی سے ملنے والا ہوں"۔ اور کہا کہ اردو زبان میں لفظ "میں" بمعنی "سے" اور "سے" بمعنی "میں" آ جایا کرتا ہے۔ لہذا مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ "مٹی سے ملنے والا ہوں" اور یہ بات ظاہر ہے کہ قبر میں حضور کا بدن مبارک مٹی سے ملا ہوا ہے۔

دیوبندی مولوی نے یہ تاویل اپنے اکابر کی کتابوں میں پڑھ رکھی تھی۔ جو انہوں نے سنا دی۔ میں نے بھی اس تاویل کا جواب جو اپنے اکابر کی کتابوں میں پڑھا تھا سنا دیا۔

اور ایک دو باتیں اپنی طرف سے بھی سنا دیں۔ جن سے دیوبندی مولوی صاحب کی تاویل باطل کا بھرم کھل گیا۔ میں نے کہا۔ اگر یہ بات درست ہے۔ کہ اردو زبان میں "سے" بمعنی "میں" اور "میں" بمعنی "سے" آجایا کرتا ہے۔ تو یہ مولوی صاحب امرتسر سے یہاں آئے تھے۔ میں اگر ان کا یہاں آنا اس طرح بیان کروں۔ کہ

" مولوی صاحب امرتسر سے اُچ شریف میں آئے ہیں"۔

تو یہ درست ہوگا۔ لیکن اگر اس جملہ کے "میں" اور "سے" کو بدل کر "میں" کی جگہ "سے" اور "سے" کی جگہ "میں" لگا دیا جائے۔ تو جملہ یہ بن جائے گا۔

" مولوی صاحب امرتسر میں اُچ شریف سے آئے ہیں"۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ بات بالکل واقعہ کے اُلٹ ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر یہ مولوی صاحب اپنے موہنہ سے تھوکیں۔ تو ہم یہ بات یوں کہیں گے۔

مولوی صاحب نے اپنے منہ سے تھوکا

اور اگر اس جملہ کے "سے" کی جگہ "میں" رکھ دیا جائے تو جملہ یوں ہو جائے گا

مولوی صاحب نے اپنے منہ میں تھوکا

فرمایئے! کیا یہ ٹھیک ہے؟ اسی طرح میری یہ چھڑی اگر مولوی صاحب کو دے دی جائے۔ اور ان سے اتفاقاً میری چھڑی گم ہو جائے۔ تو ہم یوں کہیں گے

"ہماری چھڑی مولوی صاحب سے گم ہوگئی"

اور اگر اس جملہ میں "سے" کی جگہ "میں" کو فٹ کر دیا جائے تو پھر دیکھئے چھڑی کہاں غائب ہوتی ہے؟

میری ان چند باتوں ہی سے سامعین پر یہ بات واضح ہوگئی۔ کہ تقویۃ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت پر اہلسنت کی گرفت مضبوط ہے۔ اور اس گرفت سے نکلنے کے

لیے ایسی فضول تاویل بیکار و بے سُود ہے۔

سبق

کوئی توہین آمیز جملہ کہہ کر پھر اس کی فضول تاویل کرنے بیٹھ جانا مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس قسم کی فضول تاویلات کو کون مانتا ہے؟ زید، عمر کو "ولد الحرام" کہہ دے۔ اور جب عمر اس پر احتجاج کرے۔ تو زید اس کی تاویل یہ کرے۔ کہ بھئی! "حرام" عزت و حرمت کے معنی بھی رکھتا ہے۔ جیسے "مسجد الحرام" تو میں نے بھی تمہیں عزت و حرمت کے معنی میں کہا ہے " ولد الحرام" تو فرمایئے عمر اس فضول تاویل کو قبول کرے گا؟ ایک صاحب کی بیوی بڑی کرخت اور سخت مزاج تھی۔ اور گستاخ و بیباک بھی۔ اُن صاحب کے کچھ مہمان آگئے۔ تو وہ انہیں بیٹھک میں بٹھا کر اندر گئے۔ اور بیوی سے پوچھا۔ آج کیا پکایا ہے؟ بیوی اپنی عادت کے مطابق چیخ کر بولی۔ پکایا ہے خاک! بیٹھک میں بھی یہ آواز پہنچ گئی۔ وہ صاحب اپنے مہمانوں کے پاس آکر ان سے کہنے لگے۔ سنا آپ نے اپنی بھابھی کا جواب؟ ماشاءاللہ بڑی پڑھی لکھی اور تعلیمیافتہ عورت ہے۔ جو بات بھی کرتی ہے، علمی رنگ میں کرتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کیا پکایا ہے؟ تو بولی۔ خاک! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ لفظ "خاک" کو الٹائیے۔ تو بن جاتا ہے۔ "کاخ"۔ اور کاخ فارسی زبان میں کہتے ہیں محل کو۔ اور لفظ "محل" کو الٹایئے تو بن جاتا ہے " لحم"۔ اور لحم عربی زبان میں کہتے ہیں۔ گوشت کو۔ پس آپ کی بھابی نے مجھے اس علمی انداز میں بتایا ہے۔ کہ آج گوشت پکایا ہے۔

کچھ اسی قسم کی فضول تاویلات وہ بھی ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک کے خلاف لکھے ہُوئے جملوں کو درست ثابت کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ مگر بے سُود و لاحق۔

تسکین ہو سکی نہ دلِ ناشکیب کی
ہم سب پہ کھل چکیں تری باتیں فریب کی

حکایت نمبر ۵۲

برجستہ جواب

کوٹلی لوہاراں کے مضافات میں 'کرہی' نامی ایک گاؤں ہے۔ وہاں شیعوں نے صحابۂ کبار کی شان میں خرافات بکے۔ گاؤں کے سُنّی مسلمانوں نے فضائل صحابہ کے موضوع پر ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا اور تقریر کے لیے مجھے لے گئے۔ شیعہ حضرات کی معتبر اور مستند کتابیں میرے پاس تھیں۔ انہی کے حوالے سے میں نے صحابۂ کرام کے فضائل بیان کیے۔ تقریر عام فہم اور سادہ تھی۔ لوگ بہت متاثر ہوئے۔

جلسہ میں ایک شیعہ بھی موجود تھا۔ اس نے جب یہ محسوس کیا کہ تقریر نے عوام پر اثر کیا ہے اور شیعوں کے پیدا کردہ تمام شکوک رفع ہو چکے ہیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا

" مولانا! ایک سوال کا جواب دیجئے۔ کیا وجہ ہے کہ سُنّی، شیعہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن شیعہ، سُنّی نہیں ہوتے؟ "

میں نے فوراً کہا:

" وجہ یہ ہے کہ زندہ لوگ ہی مرتے ہیں، مردے زندہ نہیں(۱) ہوا کرتے۔"

اس برجستہ جواب سے شیعہ مبہوت ہو کر بیٹھ گیا۔

سبق

لوگوں کا بد مذہب ہو جانا بد مذہبوں کی صداقت کی دلیل نہیں۔ بلکہ یہ اہلسنت وجماعت کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اللّٰهُ اللّٰهُ (مشکوٰۃ شریف ص۴۷۲)

یعنی زمین پر جب کوئی بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ قربِ قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ اللہ والے کم ہونا شروع ہو جائیں گے اور جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی نہ رہ جائے گا تو قیامت آجائے گی۔ آج اگر بد مذہبی بڑھتی نظر آتی ہے۔ تو اس کا باعث قربِ قیامت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ قیامت جو ایک بہت بڑی بلا و مصیبت کی گھڑی ہوگی۔ اسے ان اللہ والوں نے روک رکھا ہے۔ جب یہ اللہ والے نہ رہیں گے تو یہ بلا و مصیبت آجائے گی۔ گویا یہ اللہ والے دافع البلا ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ وہ آقا و مولیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سارے اللہ والوں کے آقا و مولا ہیں۔ یقیناً دافع البلا ہیں۔ ورنہ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہوگی۔ کہ غلام تو دافع البلا ہوں۔ اور آقا نہ ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ ؎

روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں
رافع نافع شافع دافع کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

حکایت نمبر ۱۵۳
ضیف المسجد

ایک روز میں دفتر ماہِ طیبہ میں بیٹھا تھا۔ کہ ایک عرب صاحب آئے۔ اور مجھ سے کہنے لگے۔

یا مولانا! أَنَا ضَيْفُ الْمَسْجِدِ

مولانا! میں مسجد کا مہمان ہوں

اس بات سے گویا وہ اپنی اہمیت جتا رہے تھے۔ کہ میں خدا کا مہمان ہوں۔ میں نے جواب دیا

نَعَمْ فَاسْکُنْ فِی الْمَسْجِدِ وَاعْلَمْ اِنَّ صَاحِبَ الْبَیْتِ لَایَأْکُلُ وَلَا یَشْرَبُ۔ ہاں ٹھیک ہے۔ بس مسجد میں ہی ٹھہریئے۔ اور جان لیجئے۔ کہ گھر والا نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔

اب جو عرب صاحب نے بات سمجھی۔ تو جھٹ بولے

لَا یَا مَوْلَانَا اَنَا ضَیْفُکَ۔ نہیں مولانا! میں آپ کا مہمان ہوں۔

میں نے کہا۔ ہاں اب ٹھیک ہے۔ اب آپ کو کھانے پینے کو بھی ملے گا۔

سبق

دیتا تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن جب تک اس کے کسی بندے کا وسیلہ و واسطہ نہ ہو۔ وہ بھی نہیں دیتا۔ عرب صاحب بھی یہ راز سمجھ گئے۔ اور خدا سے کچھ پانے کے لیے میرے مہمان بن گئے۔ معلوم ہوا۔ کہ دنیا کی ساری نعمتیں بھی کسی وسیلہ سے بٹ رہی ہیں۔ اور وہ وسیلہ عظمیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ پس جسے کچھ پانا ہے۔ وہ حضورؐ کا مہمان بنے ؎

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

حکایت نمبر ۱۴۵
گاندھی کے چرنوں میں

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے۔ جب کانگرس کا شور تھا ۔ اور مسلمان مطالبہ پاکستان میں سرگرم کار تھے ۔ دیوبندی مولوی کانگرس کے ساتھ اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ گاندھی دورۂ سرحد سے فارغ ہو کر پشاور سے لاہور جا رہا تھا۔ اتفاقاً میں بھی اسی ٹرین میں سوار تھا ۔ اور راولپنڈی سے لاہور جا رہا تھا۔ لاہور پہنچنے پر میں نے ریلوے پلیٹ فارم پر کانگرسیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم دیکھا۔ ہر شخص ہار لیے گاندھی کی راہ دیکھ رہا تھا ۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو گاندھی کا ڈبہ ہجوم سے کچھ آگے نکل گیا۔ یہ دیکھ کر ہجوم دیوانہ وار آگے کو دوڑا ۔ اس افراتفری کے عالم میں ایک کھدر پوش طویل ریش ۔ ادھیڑ عمر کا آدمی بھی نظر آیا ۔ جو پھولوں کا ہار لیے اس رش میں گاندھی کے درشن کے لیے بے قرار تھا ۔ اور اس جدوجہد میں تھا ۔ کہ وہ بھی کسی طرح گرتے پڑتے گاندھی کے چرنوں میں پہنچ جائے ۔ میری نگاہ اس آدمی کی طرف تھی ۔ کہ ایک رفیق سفر نے بتایا :

یہ مولانا احمد علی ہیں شیرانوالے دروازے والے

یہ سُن کر مجھے تقویۃ الایمانی توحید شرک کے چرنوں میں گری ہوئی نظر آنے لگی۔

سبق

دیوبندی حضرات پاکستان بننے کے مخالف تھے ۔ اور یہ لوگ مشرکینِ ہند کے ہمنوا رہے ہیں ۔ اور آج بھی انہیں جتنی عقیدت مشرکین ہند سے ہے۔ مسلمانوں

سے نہیں۔ چنانچہ جشنِ دیوبند اس حقیقت پر شاہد ہے۔ پاکستان کے بڑے بڑے دیوبندی حضرات مفتی محمود صاحب کی قیادت میں دیوبند پہنچے۔ اور دیوبند کے اس جشن صد سالہ میں اندرا گاندھی بھی شریک ہوئی۔ جس کی وہاں بڑی آؤبھگت ہوئی۔ اور میں نے لکھا ؎

ترا اے دیوبند اب کھل گیا راز
کہ تیری اندرا گاندھی ہے دمساز
تمہارے جشن میں وہ کیوں نہ آتی
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

حکایت نمبر ۵۵
ننگِ اسلاف

تقسیم ہند سے پہلے ایک مرتبہ مجھے کیمبل پور جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے وہاں پہنچنے کے بعد دوسرے دن دہلی سے مولوی حسین احمد صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہیں مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کے خلاف تقریر کرنے کے لیے کانگرسیوں نے بلایا تھا۔ چونکہ کانگرسی زیادہ تر ہندو تھے۔ اس لیے مولوی صاحب کی تقریر ایک مندر میں ہوئی۔ دوسرے ہی دن اخبار ملاپ لاہور میں مولوی صاحب کی تقریر شائع ہو گئی۔ جس کا عنوان ایڈیٹر ملاپ نے یہ جمایا۔

کیمبلپور کے مندر میں مولانا ننگِ اسلاف حسین احمد کی زبردست تقریر

بات یہ ہوئی۔ کہ مولوی حسین احمد صاحب اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ "ننگِ اسلاف"

لکھا کرتے تھے۔ ملاپ کے ہندو ایڈیٹر نے اس لفظ کو بھی بہت بڑا کوئی خطاب سمجھ لیا۔ اور موٹے حرفوں میں مولوی صاحب کے نام کے ساتھ ننگِ اسلاف لکھ دیا۔ یہ اخبار ان دنوں میرے بہت کام آتا رہا۔ تقریروں میں مَیں کہتا رہا کہ مولوی صاحب مسلمانوں سے کٹ کر ہندوؤں سے جا ملے۔ مسجد کو چھوڑ کر مندر میں تقریر کی۔ اسی واسطے قدرت انہی کے ہاتھ سے ان کو ننگِ اسلاف لکھاتی رہی۔ اور اب مولوی صاحب کا ننگِ اسلاف ہونا مشتہر و مصدق بھی ہو گیا ہے کہ خود ان لوگوں نے بھی جن کی خاطر یہ اپنی قوم سے کٹے تھے۔ مولوی صاحب کو جلی حروف میں ننگِ اسلاف قرار دے دیا ہے۔

سبق

علماء اپنے ناموں کے ساتھ فقیر و حقیر اور عاجز و گنہگار جیسے الفاظ تواضعاً لکھتے ہیں۔ اسی طرح مولوی حسین احمد بھی اپنے نام کے ساتھ ننگِ اسلاف لکھا کرتے تھے۔ مگر ہندوؤں کی یہ جہالت و بے خبری تھی۔ کہ انہوں نے یہ جملہ مولوی صاحب کے ساتھ چسپاں ہی کر دیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ تواضعاً فرمایا تھا (دیکھئے خازن) مگر جاہل اور گستاخ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی مثل بشر سمجھ لیا۔ اور یہی کہنا شروع کر دیا۔ گویا یہ لوگ بھی ملاپ کے ہندو ایڈیٹر کی سی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں جو
انہیں اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں

حکایت نمبر ۵۶

دہلی کا لطیفہ

متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں مَیں اکثر دہلی جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ فراشخانہ کے جلسۂ میلاد شریف میں گیا۔ تو ایک دہلوی مولوی صاحب سے تعارف حاصل ہوا۔ دہلی والوں نے پوسٹر میں میرے نام کے ساتھ "شیر پنجاب" لکھا تھا۔ اور ان مولوی صاحب کے نام کے ساتھ "فخر دہلی"

ایک مجلس میں سارے احباب بیٹھے تھے۔ یہ پوسٹر سامنے تھا۔ دہلوی مولوی صاحب نے مزاحاً فرمایا۔ مولانا! اگر شیر پنجابؔ سے "ی" اڑ جائے۔ تو باقی کیا رہ جائے گا۔

مطلب ان کا یہ تھا۔ کہ "شیر پنجاب" سے "ی" نکال دی جائے تو باقی "شر پنجاب" رہ جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا اور مولانا! اگر "فخر دہلی" کے "فخر" سے "ف" اڑ جائے۔ تو باقی کیا رہ جائیگا۔ اس لطیفہ سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ اور ایک صاحب جو شاعر بھی تھے۔ اور شاعر بھی دہلی کے، بڑی متانت سے بولے۔

قبلہ ان حروف "ی" اور "ف" کو اڑائیے مت۔ اپنے استعمال میں لائیے۔ "شیر" کی "ی" ان مولانا کو دے دیجئے۔ تاکہ یہ "خر" کے بیچ لگا کر "خیر" پا سکیں اور "فخر" کی "ف" آپ لے لیجئے۔ تاکہ "شر" کے آگے لگا کر "شرف" حاصل کر سکیں۔"

سبحان اللہ! ان کی اس بات کا اور بھی زیادہ لطف آیا۔

سبق

دہلی فصاحت و لطافت کا گھر ہے۔ اور احبابِ دہلی سخنور و سخن شناس اور اس شعر کا مصداق ہیں ؎

درد کیا جس میں نہ ہو کچھ تاثیر
بات کیا جس میں کچھ مزا نہ ہو

کی

حکایت نمبر ۵۷

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں دورۂ حدیث میں نے شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہے۔ ایک روز بخاری شریف پڑھتے ہوئے یہ حدیث پڑھی گئی۔ کہ قبر میں میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک منکر اور دوسرا نکیر۔ یہ دونوں اگر میت سے تین سوال کرتے ہیں پہلا سوال یہ ہوتا ہے۔

مَنْ رَبُّكَ "تمہارا رب کون ہے؟" اور دوسرا سوال یہ ہوتا ہے

مَادِيْنُكَ "تمہارا دین کیا ہے؟" اور تیسرا سوال یہ ہوتا ہے

مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ۔ (سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے) ان کے حق میں تم کیا کہا کرتے تھے؟

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی ہوتی ہے۔

اس حدیث کے پڑھتے ہی ہم نے دیکھا۔ کہ حضرت مولانا رو رہے ہیں۔ ہم نے عرض کی۔ حضور! آپ روئے کیوں؟ تو فرمایا

"میں جب یہ حدیث پڑھتا یا سنتا ہوں۔ تو اسی وقت میرا مرجانے پہ دل چاہتا ہے۔ تاکہ حضور کا دیدار ہو۔"

سبحان اللہ! حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ جذبۂ محبتِ رسول دیکھ کر ہماری آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں۔

سبق

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت ، یہ شعارِ اہلسنّت ہے۔ اس نعمتِ جلیلہ سے خدا تعالیٰ نے اہلسنّت ہی کو نوازا ہے ۔ اور یہ محبّتِ رسول ہی اصل ایمان ہے ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

"تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا ۔ جب تک اسے اپنے ماں باپ اولاد ۔ اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبّت نہ ہو ۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ ایمان نام ہے ۔ محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ۔ اس میں شک نہیں ۔ کہ اعمال بھی ضروری ہیں ۔ مگر حضور کی محبت کے بغیر کوئی عمل بھی نافع و مفید نہیں ۔

وہ عبادت ہی نہیں جس میں نہ ہو حبِّ رسول
جن میں بو پائی نہ جائے وہ ہیں کاغذ کے پھول

حکایت نمبر ۵۸

کدّو سے پیار

ایک روز دورۂ حدیث پڑھنے کے لیے ہم اپنے استاد محترم شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتظار میں تھے ۔ کہ آپ تشریف لائے ۔ ہم نے دیکھا ۔ آپ رو رہے ہیں ۔ سب طلباء دم بخود تھے ۔ اور

حضرت کو روتے دیکھ کر حیران تھے۔ ہمت کر کے میں نے دریافت کیا۔ حضور! آپ روکیوں رہے ہیں؟ تو فرمایا

بھئی! اپنے معدہ کی روش پر رو رہا ہوں۔ رات کو کدو کھایا تھا جس کے باعث پیٹ میں کچھ گرانی محسوس کر رہا ہوں۔ روتا ہوں۔ کہ کدو سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا پیار تھا۔ پھر معدہ کو یہ گراں کیوں گذرا؟"

سبحان اللہ! حضرت کا یہ جذبہ دیکھ کر دل بیحد متاثر ہوا۔

سبق

علماء اہلسنت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی ایک ایک ادا سے محبت و پیار ہے۔ اور وہ تلقین بھی اسی بات کی کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و پیار رکھو۔ اور حضور کی ایک ایک ادا کو اپناؤ۔ حدیث میں آیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ صاحب خانہ نے کدو پکا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا۔ حضور کدو بڑے شوق سے تناول فرما رہے ہیں تو

فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمَئِذٍ

اس دن سے میں بھی کدو سے محبت رکھنے لگا (مشکوٰۃ شریف ص۳۵۶)

دیکھئے! یہ ہیں محبت کے کرشمے۔ کہ کدو سے محبت رکھنا خدا یا اس کے رسول کا کوئی حکم نہیں ہے۔ مگر محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے حضور کو محبت ہے۔ اس سے تم بھی محبت رکھو۔ گویا محبت ہو تو پھر حکم کا انتظار نہیں رہتا۔ جو لوگ محبت کے کسی کام پر حکم و دلیل پوچھیں۔ کہ ایسا کہاں لکھا ہے۔ تو سمجھ جائیے یہاں محبت نہیں ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے سامنے صرف اتنا کہہ دیا۔

کہ "مجھے کدو سے پیار نہیں۔" تو حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا:

جَدِّدِ الْاِیْمَانَ وَاِلَّا لَاَقْتُلَنَّكَ

پھر سے مسلمان ہو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا (شرح الشفا ص ۴۹ ج ۲)

دیکھئے یہ ہے علماء اہلسنت کا جذبہ۔ کہ حضور کی کسی ادا سے پیار نہ ہونے پر اسے کہہ رہے ہیں۔ کہ اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ یہیں سے اندازہ کر لیجئے ان لوگوں کی بدبختی کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن مقدسہ داڑھی و مسواک وغیرہ پر مذاق اڑاتے ہیں

یاد رکھیئے کہ سچے مسلمان کی نشانی یہ ہے ؎

یہی ہے زندگی اپنی یہی ہے بندگی اپنی
کہ ان کا نام آیا اور گردن جھک گئی اپنی

حکایت نمبر ۵۹

حدیث ربیعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مجھے ضرور بلاتے۔ اور میری تقریر پر بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور اپنی دعاؤں سے مجھے نوازتے۔ ایک مرتبہ ان کی موجودگی میں میری تقریر ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی تقریر میں حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کے وقت وضو کے لیے پانی دیا۔ تو حضور کا دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ اور آپ نے ربیعہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ سَلْ۔ حدیث میں صرف لفظ سَلْ آیا ہے۔ مگر مجھ

سے زور بیان میں سَلْ ماشِئْتَ نکل گیا۔ اور میں نے اس کا ترجمہ بھی یہی کیا۔ کہ مانگ جو تُو چاہے"۔ تقریر ہوتی رہی۔ حضرت مولانا بھی خوب داد دیتے رہے۔ رات گذری۔ صبح ہوئی۔ بعد از نماز فجر میں بھی حضرت مولانا کے کمرہ میں حاضر ہوا۔ بہت سے طلبا اور مشتاقان زیارت حاضر تھے۔ مولانا نے سب کو چائے پلائی اور مجھے بھی۔ جب چائے کا دور ختم ہوا۔ تو سب سے فرمایا۔ آپ ذرا باہر تشریف لے جائیں مجھے مولانا محمد بشیر سے کچھ بات کرنی ہے۔ سارے حاضرین باہر چلے گئے۔ تو مجھ سے مخاطب ہو کر میری رات کی تقریر کی خوب تعریف فرمائی۔ اور پھر بڑے پیار اور مشفقانہ و معلمانہ انداز میں فرمایا۔ آپ نے جو حضرت ربیعہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ماشاء اللہ خوب بیان فرمایا مگر حدیث میں سَلْ ماشئتَ نہیں۔ صرف سَلْ ہے۔ ماشئت کا لفظ آپ کی زبان سے زائد نکل گیا ہے۔ آئندہ احتیاط رکھئے۔ اگر کوئی مخالف یہ لفظ پوچھ بیٹھے تو مشکل پیدا ہو جائے گی"۔

سبحان اللہ! لغزش پر تنبیہہ اور اصلاح کا کیا پیارا انداز تھا۔ میرے دل پر آج تک اس کا اثر ہے اس دن آج تک جب کبھی یہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ "تو سَلْ" پر پہنچتے ہی مولانا کی تنبیہہ سامنے آجاتی ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سبق

بزرگوں کا یہ انداز اصلاح تھا۔ کہ لغزش کا ازالہ بھی ہو جائے۔ اور صاحب لغزش کی سُبکی بھی نہ ہو۔ ہمیں بھی اپنے اکابر کا یہی انداز اپنانا چاہیئے۔

حدیث ربیعہ میں لفظ "مَاشِئْتَ" نہ ہوتے ہوئے بھی "سَلْ" میں اطلاق و عموم موجود ہے۔ اسی لیے حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی اور نہ صرف جنت بلکہ جنت میں حضور کی رفاقت۔ چنانچہ یوں عرض کیا اَسْئَلُكَ

مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّۃِ ۔ یعنی یارسول اللہ! میں آپ سے جنّت میں آپ کی رفاقت ومعیت مانگتا ہوں۔ (مشکوٰۃ ص۸۴)

شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست۔ ہرچہ خواہد۔ ہر کہ را بخواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ شعر

گر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا وُ ہر چہ می خواہی تمنا کن"

دیکھئے اشعۃ اللمعات باب السجود)

یعنی سارے کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ جو چاہیں۔ جس کو چاہیں باذن اللہ دے دیتے ہیں۔

دُنیا وآخرت کی اگر بھلائی چاہتے ہو۔ تو حضور کی بارگاہ میں آجاؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور نے ربیعہ سے جب فرمایا "سَلْ" مانگ۔ تو حضرت ربیعہ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں آپ سے کیوں مانگوں اپنے اللہ سے مانگ لوں گا۔ اور پھر یوں عرض کیا اَسْئَلُکَ میں آپ سے مانگتا ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ربیعہ سے یہ نہیں فرمایا۔ مجھ سے کیوں مانگتے ہو۔ اللہ سے مانگو۔ ثابت ہوا۔ کہ حضور سب کچھ دینے والے ہیں ؎

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچّا ہمارا نبی!

حکایت نمبر ۶۰

ترجمہ کی اصلاح

چک جھمرہ ضلع فیصل آباد کی جامع مسجد میں سالانہ جلسہ تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر تھے۔ اور میں تقریر کر رہا تھا۔ اثناء تقریر میں میں نے یہ حدیث پڑھی رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ - اور اس کا ترجمہ کیا۔ "میں نے اپنے رب کو بڑی حسین شکل میں دیکھا۔" حضرت مولانا نے اسی وقت مجھے روکا۔ اور فرمایا۔ مولانا صورۃ کا ترجمہ صورت ہی کیجئے۔ اللہ تعالےٰ شکل سے پاک ہے۔" میں نے مولانا کی اس اصلاح کو بصد شکریہ قبول کرلیا۔ اور اسی وقت اپنی اس لغزش پر خدا کے حضور معذرت کر کے ترجمہ یہ کیا۔ کہ "میں نے اپنے رب کو بڑی حسین صورت میں دیکھا"۔

سبق

صورت کے معنی ہیں پیکر اور وجود۔ اس معنی میں خدا کی صورت یقیناً ہے یعنی وہ موجود ہے۔ اور شکل کا معنی ہے سرخی و سفیدی وغیرہ کیفیت رکھنے والی چیز۔ اور اللہ تعالیٰ رنگ و کیفیت سے پاک ہے۔ اس لیے وہ شکل سے پاک ہے۔ چونکہ میری یہ لغزش ترجمہ خدا تعالیٰ کے تقدس کے خلاف تھی۔ اس لیے مولانا نے مجھے اسی وقت روک دیا۔ تاکہ میری اور سننے والوں سب کی اصلاح ہو جائے۔ پچھلی حکایت حدیث ربیعہ میں مجھ سے جو لغزش ہوئی۔ وہ ایسی لغزش نہ تھی جس سے کسی بنیادی عقیدہ پر حرف آتا ہو۔ وہ تو محض ایک ایسے لفظ کی زیادتی تھی۔ جو حدیث میں نہ تھا۔ چونکہ وہ لغزش محض ایک ذہنی بھول تھی۔ اس لیے اس کی اصلاح کے لیے کمرہ سے سارے احباب کو

باہر نکال کر تنہائی میں مجھے میری بھول پر متنبہ فرمایا۔ اور یہ ترجمہ کی غلطی ایسی تھی جس کے باعث خدا کے تقدس پر حرف آتا تھا۔ اس لیے اس کی اصلاح فوراً اور سارے مجمع میں کر دی۔ تاکہ سب اس غلطی کے گناہ سے بچ جائیں۔

یہ ہیں علماء اہلسنت۔ اگر کوئی اور ہوتا۔ تو حدیث ربیعہ میں میری بھول پر اپنی علمی قابلیت جتلانے کے لیے اسی وقت مجھے ٹوک دیتا۔ اور دوسری حدیث کا غلط ترجمہ سن کر ہر دلعزیز بننے کے لیے ساکت عن الحق ہو جاتا۔ اور مجھے ہرگز نہ روکتا۔ الحمدللہ یہ علماء اہلسنت ہی کا امتیازی وصف ہے۔ کہ نہ انہیں اپنے خداداد علم و فضل پر فخر و ناز ہے۔ کہ دوسرے کسی کو خاطر ہی میں نہ لائیں۔ اور نہ ہی وہ ساکت عن الحق ہیں۔ کہ کوئی کچھ بکتا پھرے اور کلماتِ کفر لکھتا پھرے۔ وہ یہ کہہ دیں۔ ہمیں کیا۔ جو کسی کی مرضی ہو کہے لکھے۔ ہم کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتے۔

عالمانِ اہلسنت کا یہی ہے امتیاز
حق سنانے کے فریضہ سے نہیں رہتے وہ باز

حکایت نمبر ۱۶۱
حضرت شیخ الحدیثؒ کا مکتوبؒ

سنہ ۱۹۶۰ء میں جب میں حج کے لیے گیا تو کراچی تک میں شاہین ایکسپریس پر گیا تھا ٹرین جب فیصل آباد پہنچی۔ تو پلیٹ فارم پر شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کے اساتذہ و طلباء کرام اس عازمِ مدینہ کے استقبال کے لیے چشم براہ تھے۔ سب سے پہلے مولانا محمد سلیم صاحب خطیب جھال مجھ سے ملے۔

اور پھر سارے حضرات میری طرف لپکے۔ اور مجھے پھولوں کے ہاروں سے بھر دیا۔ حضرت مولانا زاہد حسین نے مجھے ایک لفافہ دیا۔ اور کہا۔ یہ حضرت شیخ الحدیث نے آپ کے لیے دیا ہے۔ حضرت خود تو اپنی ناسازیٔ طبع کے باعث تشریف نہیں لا سکے۔ اور یہ مکتوب آپ کو بھیجا ہے۔ میں نے لفافہ کھولا۔ تو اس میں حضرت شیخ الحدیث کا ایک مکتوب گرامی ملا۔ اور ساتھ اس کے ایک دس روپے کا نوٹ بھی۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے جبکہ اس زمانہ کا دس کا نوٹ آج کل کے سو کے نوٹ کے برابر تھا۔ یہ دس کا نوٹ حضرت شیخ الحدیث کا ایک عازم مدینہ کے لیے انعام تھا۔ جسے میں نے ایک گرانقدر عطیہ سمجھ کر رکھ لیا۔ پھر حضرت کا مکتوب گرامی پڑھا۔ تو لطف ہی آگیا۔ سبحان اللہ! ان علماء اہلسنت کے ارشادات بھی کیا ہی ہدایت مآب ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنے مکتوب گرامی میں مجھے اس سفر پاک کی مبارک باد لکھی اور لکھا کہ

"آپ کو حاضریٔ روضۂ انور اور مدینہ منورہ اور حاضریٔ کعبہ شریف اور مکہ مکرمہ مبارک ہو۔"

ذرا اس ایمان افروز ترتیب کو دیکھیے۔ سب سے پہلے حاضریٔ روضۂ انور۔ پھر مدینہ منورہ کا ذکر۔ اور اس کے بعد حاضری کعبہ شریف اور پھر مکہ مکرمہ کا ذکر۔ بے شک ایک سچا مسلمان اسی ترتیب کے پیش نظر یہ سفر اختیار کرتا ہے۔ اور اس گنہ گار کا بھی یہ سفر اسی ترتیب کے پیش نظر تھا۔

سبق

علماء اہلسنت کا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ ایک حج ہی نہیں۔ اللہ کی ہر نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ملی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی حاضری ہی سب کچھ ہے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر حاجی کے لیے روضۂ انور کی کشش نہ ہو۔

تو اس قدر دشوار اور دراز سفر کے لیے گھر سے کوئی نہ نکلے۔ یہ روضۂ انور ہی کی کشش ہے۔ کہ دنیا کے کونے کونے سے مسلمان حجاز کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ کعبہ میں بھی جو کشش ہے۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مرہونِ منت ہے۔

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلّی کا ایک ظل
روشن انہی کے نور سے پتلی حجر کی ہے

حکایت نمبر ۶۲
امام و خطیب

استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر استاذی المعظم حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قلعہ گوجر سنگھ کے چند احباب آئے۔ اور اپنے محلہ کی ایک مسجد کے لیے امام و خطیب کی درخواست پیش کی۔ اور کہا۔ ہمیں ایسا امام و خطیب چاہیئے۔ جو عالم بھی ہو اور خطیب بھی۔ اور ہم غریب لوگ ہیں۔ ہماری توفیق اتنی نہیں کہ ان کی معقول خدمت کر سکیں۔ کرم فرمایئے۔ کوئی ایسا عالم مہیا فرما دیجئے۔

حضرت سید صاحب کی طبع مبارک میں ایک لطیف مزاح کا عنصر بھی تھا۔ فرمانے لگے۔ میری نظر میں ایک ایسا عالم ہے۔ جو بہت ہی بڑا عالم ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اُسے لالچ کسی بات کا نہیں ہے۔ اسے کھانے پینے کی بھی پرواہ نہیں۔ بلکہ وہ کھاتا پیتا ہی نہیں۔ رہنے کے لیے اُسے کسی مکان کی بھی ضرورت نہیں۔ تنخواہ کا بھی وہ محتاج نہیں۔ اپنے اس کا نام میں بتا دیتا ہوں۔ تم اس کے پاس چلے جاؤ۔ اگر وہ راضی ہو گئے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ تمہارے سارے کام بھی کرے گا اور تم سے لے گا بھی کچھ نہیں۔

وہ لوگ بڑے خوش ہو گئے۔ اور پوچھنے لگے۔ حضور! ان کا نام بتایئے۔

فرمایا "حضرت جبریل علیہ السّلام"

یہ نام سُن کر وہ چونکے بھی۔ اور ہنسے بھی۔

حضرت نے پھر فرمایا۔ کہ تم عالم تو ایسا چاہتے ہو۔ جس میں ہر خوبی ہو۔ مگر ساتھ ہی تمہاری خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ کھائے پیئے کچھ نہیں۔ رہنے، پہننے سے بے نیاز ہو اور تمہیں اس کی خدمت نہ کرنی پڑے۔ دنیاوی ضرورتوں پر تو ہزاروں لاکھوں کا خرچ کر دو پرواہ نہیں۔ اور جو دینی ضرورت پیش آئے۔ تو توفیق یاد آجاتی ہے۔

فرمایا۔ اگر تم ان کی ہر جائز ضرورت کو پورا کر سکو۔ تو میں ایسا عالم بھیج دوں گا۔ انہوں نے حضرت کی اس تقریر سے متاثر ہو کر وعدہ کر لیا کہ ہم انشاء اللہ ان کی خاطر خواہ خدمت کریں گے۔

سبق

نماز پڑھنا مردِ مسلمان پر فرض ہے۔ مگر نماز پڑھانا اور پھر کسی ایک مخصوص مسجد ہی میں پڑھانا یہ اس پر فرض نہیں۔ اس لیے اگر کسی امام کو ایک مخصوص مسجد ہی میں پانچ وقت نماز پڑھانے پر مامور کر دیا جائے۔ تو اس پابندی کا معاوضہ امام لے سکتا ہے۔ یہ معاوضہ نماز پڑھنے کا نہیں۔ بلکہ ایک مخصوص مسجد ہی میں پابند کر کے نماز پڑھانے پر پابند کر دینے کا معاوضہ ہے۔ جو بہر حال جائز ہے۔ نماز تو ہر مسلمان جہاں چاہے پڑھ سکتا ہے۔ پھر اسے اگر آپ پابند کر دیں کہ آپ کو اسی مسجد میں نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ پڑھانا پڑے گی۔ اس پابندی کا معاوضہ وہ جتنا چاہے لے سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل کے جہلا نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ مولوی نماز کے پیسے لیتے ہیں۔ حالانکہ نماز کے پیسے لینے اس صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی مولوی صاحب ان سے یوں کہیں۔ ہم نے نماز پڑھی ہے۔ ہمیں پیسے دو۔ وہ تو یوں کہتے ہیں۔ ہم نے نماز پڑھائی ہے تنخواہ دو۔ نماز پڑھائی

وہ لوگ بڑے خوش ہو گئے۔ اور پوچھنے لگے۔ حضور! ان کا نام بتایئے۔

فرمایا "حضرت جبریل علیہ السّلام"

یہ نام سُن کر وہ چونکے بھی۔ اور ہنسے بھی۔

حضرت نے پھر فرمایا۔ کہ تم عالم تو ایسا چاہتے ہو۔ جس میں ہر خوبی ہو۔ مگر ساتھ ہی تمہاری خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ کھائے پیئے کچھ نہیں۔ رہنے، پہننے سے بے نیاز ہو اور تمہیں اس کی خدمت نہ کرنی پڑے۔ دنیاوی ضرورتوں پر تو ہزاروں لاکھوں کا خرچ کر دو پرواہ نہیں۔ اور جو دینی ضرورت پیش آئے۔ تو توفیق یاد آجاتی ہے۔

فرمایا۔ اگر تم ان کی ہر جائز ضرورت کو پورا کر سکو۔ تو میں ایسا عالم بھیج دوں گا۔ انہوں نے حضرت کی اس تقریر سے متاثر ہو کر وعدہ کر لیا کہ ہم انشاء اللہ ان کی خاطر خواہ خدمت کریں گے۔

سبق

نماز پڑھنا مردِ مسلمان پر فرض ہے۔ مگر نماز پڑھانا اور پھر کسی ایک مخصوص مسجد ہی میں پڑھانا یہ اس پر فرض نہیں۔ اس لیے اگر کسی امام کو ایک مخصوص مسجد ہی میں پانچ وقت نماز پڑھانے پر مامور کر دیا جائے۔ تو اس پابندی کا معاوضہ امام لے سکتا ہے۔ یہ معاوضہ نماز پڑھنے کا نہیں۔ بلکہ ایک مخصوص مسجد ہی میں پابند کر کے نماز پڑھانے پر پابند کر دینے کا معاوضہ ہے۔ جو بہر حال جائز ہے۔ نماز تو ہر مسلمان جہاں چاہے پڑھ سکتا ہے۔ پھر اسے اگر آپ پابند کر دیں کہ آپ تو اسی مسجد میں نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ پڑھانا پڑے گی۔ اس پابندی کا معاوضہ وہ جتنا چاہے لے سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل کے جہلا نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ مولوی نماز کے پیسے لیتے ہیں۔ حالانکہ نماز کے پیسے لینے اس صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی مولوی صاحب ان سے یوں کہیں۔ ہم نے نماز پڑھی ہے۔ ہمیں پیسے دو۔ وہ تو یوں کہتے ہیں۔ ہم نے نماز پڑھائی ہے تنخواہ دو۔ نماز پڑھائی

بھی ہے اور پڑھائی بھی تمہاری ہی مسجد میں ہے۔ تم نے جو دو پابندیاں عائد کیں تھیں ان کا معاوضہ دو۔ فرمایئے بندوں کی اس عائد کردہ پابندیوں کا معاوضہ لینا عقلاً یا شرعاً کیسے ممنوع ہو سکتا ہے؟

حج بھی ایک فرض ہے۔ حج کرانے پر جو معلم مامور ہیں۔ حکومت ان حج کرانے والوں کی فیس پہلے ہی وصول کر لیتی ہے۔ وہاں بھی تو کہیئے۔ کہ یہ معلم حج بیچتے ہیں۔ اور حج کے پیسے لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ حج کے پیسے نہیں لیتے حج کرانے کے پیسے لیتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے۔ ڈاکٹر اور وکیل صرف چند منٹ مشورہ دینے کی فیس لے لیں۔ تو وہ ٹھیک ہے۔ اور مولوی اگر ایک جائز پابندی کی جائز تنخواہ لے لے۔ تو یہ غلط۔

دیکھئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت پر پابند کیا ہے۔ فرمایا

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

بندوں نے چونکہ کھانا پینا بھی تھا۔ اس لیے خدا نے ان کا رزق اپنے ذمہ لے لیا۔ اور فرمایا

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

یعنی تمہارا رزق کھانا پینا میرے ذمہ۔ گویا یہ کہ تم اپنے رزق سے بے فکر ہو کر میری پابندی عبادت پر عمل کرو۔ اور تمہارے رزق کا ذمہ دار میں ہوں۔

اسی طرح مسلمان بھی جس عالم کو اپنی عبادات کی تکمیل کے لیے پابند کریں ان پر فرض ہے۔ کہ وہ بھی اس عالم سے یہ وعدہ کریں۔ کہ آپ اپنے کھانے پینے سے بے فکر ہو کر ہماری دینی خدمت کریں۔ اور آپ کے کھانے پینے کے ذمہ دار ہم ہیں۔ سمجھنے کے لیے اتنی ہی تحریر کافی ہے ورنہ ع

نامۂ شوق کی مرے شرح تو کب تک

حکایت نمبر ۶۳
ظاہری معنٰی اور مراد

حضرت مولانا حافظ امام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی جید عالم تھے۔ آپ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل تھی۔ قرآن پر اتنا عبور تھا کہ گھنٹوں وعظ فرماتے اور ہر بات کا حوالہ قرآن سے دیا کرتے تھے۔ حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کوٹلی لوہاراں کے ایک غیر مقلد نے جو کہ نابینا تھا۔ آپ سے کہا:

"قرآن و حدیث کا لفظی ترجمہ اور ظاہری معنٰی ہی کافی ہے۔ لیکن آپ مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مراد ہے اور اُس حدیث سے وہ مراد ہے۔ یہ مراد کس بلا کا نام ہے؛ قرآن و حدیث کا صرف معنٰی لینا چاہیئے اور بس!"

حافظ صاحب نے برجستہ فرمایا:

"اگر یہ بات ہے تو سنو! قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ قیامت کے روز بھی اندھا ہی ہوگا

آپ چونکہ اس دنیا میں اندھے ہیں۔ اس لیے از روئے قرآن قیامت کے روز بھی انشاء اللہ اندھے ہی اٹھیں گے۔"

اس پر غیر مقلد نے گھبرا کر کہا:

"مگر اس آیت سے دل کے اندھے کافر مراد ہیں۔"

حافظ صاحب نے فرمایا:

اگر مگر کچھ نہ چلے گا۔ تم ابھی خود کہہ رہے تھے کہ یہ مراد کس بلا کا نام ہے؛ اور خود ظاہری معنیٰ چھوڑ کر مراد لے رہے ہو؛ قرآن کا اگر لفظی ترجمہ ہی کافی ہے تو تمہارے بارے میں قرآن کا یہی حکم ہے۔"

اس پر غیر مقلد لاجواب ہو گیا۔

سبق

بعض جملوں کا معنیٰ کچھ اور ہوتا ہے اور مراد کچھ اور۔ مثلاً کوئی شخص اپنے گھر میں کسی اجنبی کو دیکھ کر غصہ میں آ کر یوں کہتا ہے "ٹھہر تو جا"۔ دیکھئے۔ "ٹھہر تو جا" کا معنیٰ تو یہ ہے۔ کہ ٹھہرے رہو۔ مگر مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ نہ ٹھہرو۔ اور نکل جاؤ میرے گھر سے۔ اسی طرح کوئی شخص کسی محتاج کی مشکل کے وقت اگر مدد کرے۔ تو محتاج کہتا ہے۔ فلاں شخص نے مشکل کے وقت میرا ہاتھ پکڑا۔ تو "ہاتھ پکڑا" کا معنیٰ تو یہ ہے۔ کہ اس نے اپنے ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اس نے میری مدد کی۔ یونہی ایک شخص کہتا ہے۔ کہ میں نے فلاں شخص کو ایسی کھری کھری سنائیں۔ کہ اس کے "طوطے اُڑ گئے"۔ طوطے اُڑ گئے۔ کا ظاہری معنیٰ تو یہ ہے۔ کہ اس شخص نے کچھ طوطے پال رکھے تھے۔ جو پنجرے کا دروازہ کھل جانے سے اُڑ گئے۔ مراد یہ ہے کہ وہ حیران رہ گیا۔

اسی طرح قرآن و حدیث کے بعض ارشادات کا ظاہری معنیٰ کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر مراد ان کی کچھ اور ہوتی ہے۔ ہم مقلدین حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ سے قرآن و حدیث کے ارشادات کی مراد دریافت کرتے ہیں۔ اور امام اعظم علیہ الرحمۃ قرآن و حدیث کے ارشادات کی مراد بتاتے ہیں اس مراد کا نام فقہ ہے۔ پس جو لوگ فقہ کے منکر و مخالف ہیں۔ وہ ظاہری معنیٰ پر عمل کر کے سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ اور خدا اور رسول کی اصل منشا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا قرآن و حدیث کے ارشادات کی

مراد یعنی فقہ کو اپنانا چاہیئے۔ تا خدا اور رسول کی اصل منشا پر عمل ہو سکے۔

عقل و دانش سے نہ رُخ کو موڑ دیجئے

فقہ کا دامن نہ ہرگز چھوڑ دیجئے

حکایت نمبر ۶۴

بد مذہبوں سے اجتناب

عمّی المعظم حضرت مولانا محمد امام الدین صاحب قادری رضوی نے ایک مرتبہ وعظ میں فرمایا۔ کہ مسلمانو! ہمیشہ اپنے مسلک کی کتابیں پڑھا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو تورات پڑھنے سے روک دیا تھا۔ حالانکہ وہ خدا کی کتاب تھی۔ مگر حضور نے نہ چاہا۔ کہ قرآن کے ہوتے ہوئے عمر تورات پڑھے۔ اسی طرح بد مذہبوں کی مجلسوں میں بھی نہ جایا کرو۔ وعظ کے بعد ایک شخص نے کہا۔ مولانا! آپ نے جو اپنے کتب خانہ میں شیعوں، وہابیوں اور مرزائیوں کی کتابیں جمع کر رکھی ہیں۔ یہ آپ نے کیوں اپنے پاس رکھی ہیں؟

چچا صاحب قبلہ نے فرمایا۔ میاں! سپیرا مختلف قسم کے زہریلے سانپ اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور ان کو پکڑ بھی لیتا ہے۔ کیوں کہ وہ اس فن کا ماہر ہوتا ہے۔ سانپ کے ڈنگ مارنے سے بچنے کا اسے ڈھنگ آتا ہے۔ مگر عوام کو یہ جرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ وہ بھی سانپ پالنے اور رکھنے شروع کر دیں۔ عوام اگر ایسا کریں گے۔ تو یقیناً ڈسے جائیں گے۔ اس لیے عوام کو ان سے اجتناب لازم ہے۔

دوسری مثال سنو۔ ریلوے گارڈ چلتی ٹرین پر کسی سواری کو چڑھنے نہیں دیتا۔ مگر

خود ہمیشہ چلتی ٹرین پر چڑھتا ہے۔ دوسروں کو وہ اس لیے روکتا ہے۔ کہ ان کے لیے چلتی گاڑی پر چڑھنا خطرے کا باعث ہے۔ اور وہ خود اس فن کا ماہر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ یہ مثالیں دے کر فرمایا۔ کہ ہم تو ان بدمذہبوں کے جملہ داؤ پیچ سے واقف ہیں، ان کے ڈسنے سے بچنا جانتے ہیں۔ مگر تم چونکہ ایسے نہیں ہو اس لیے تمہارے لیے ان سے بچنا ہی ضروری ہے۔ نہ ان کی کتابیں پڑھو نہ ان کے جلسوں میں جاؤ۔

سبق

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷ ع ۱۴)

یعنی جو لوگ اللہ کی آیات میں طعن و تشنیع اور استہزاء کے ساتھ پڑتے ہیں ان سے منہ پھیر لو۔ اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس بھی نہ بیٹھو۔

صاحب تفسیر خزائن العرفان اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا احترام نہ کیا جاتا ہو مسلمانوں کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کفار اور بے دینوں کے جلسے میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔ ان میں سننے کے لیے شرکت کرنا جائز نہیں۔
(صہ ۱۹۵)

اور جواب کے لیے جانا جو علماء کا کام ہے۔ یہ اظہار حق کے لیے ہے۔ اس لیے جائز ہے۔ چنانچہ اس آیت کے ساتھ ہی خدا فرماتا ہے:

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (پ ع ۱۴)

یعنی پرہیزگاروں کے لیے اجازت ہے۔ وہ جاکر انہیں نصیحت کریں اور سمجھائیں۔ شاید وہ باز آجائیں۔

ان آیات سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ جس جلسے یا جس کتاب میں اللہ کی آیات پر طعن و تشنیع اور حق کے ساتھ استہزاء ہو۔ نہ اس جلسے میں جانا جائز ہے اور نہ ایسی کتاب پڑھنا جائز۔ ہاں علماء حق انہیں نصیحت کرنے کے لیے ان کے جلسے میں جا سکتے ہیں۔ اور ان کی خرافات کا جواب دینے کے لیے ان کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ عام مسلمانوں کے لیے یہی ارشاد ہے کہ ؎

دور شو از اختلاطِ یارِ بد
یار بد بدتر بود از مارِ بد

حکایت نمبر ۶۵

بڑا بھائی

شیخ القرآن حضرت مولانا علامہ ابو الحقائق محمد عبد الغفور صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ مجھ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور مجھے اپنا چھوٹا بھائی فرمایا کرتے تھے۔ ایک جلسہ میں جبکہ وہ تقریر فرما رہے تھے۔ میرے متعلق فرمایا۔ کہ اب یہ تقریر کرے گا۔ اور پھر فرمایا۔ کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس سے مجھے ایسا ہی پیار ہے۔ جیسے چھوٹے بھائیوں سے ہوتا ہے۔

میں تقریر کے لیے اُٹھا۔ تو حضرت مولانا کی طرف دیکھ کر میں نے کہا۔ کہ مجھے اس بات پر فخر ہے۔ کہ حضرت مولانا مجھے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتے ہیں۔ میں بھی حضرت مولانا کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہُوں۔ اور ان کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرتا ہوں۔"

میرے اس جملہ پر حضرت مولانا مسکرائے۔ اور اٹھ کر فرمایا:

"گویا یہ میری اتنی تعظیم کرتے ہیں۔ جتنی بعض لوگ رسول کی کرتے ہیں"۔ اور پھر تقویۃ الایمان کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی۔ " سو اُس کی (رسول کی) بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے"۔

حضرت مولانا کی اس بر وقت حاشیہ آرائی سے بڑا لطف آیا۔

سبق

یہ عبارت تقویۃ الایمان کی ہے۔ جن لوگوں کے لیے یہ کتاب باعثِ تقویۃ الایمان ہے۔ ان کے نزدیک رسول کی تعظیم بس اتنی ہے جتنی بڑے بھائی کی، حالانکہ بڑے بھائی کا کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی کلمہ شریف میں اللہ کے نام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بڑے بھائی کی بے ادبی سے آدمی بے ایمان نہیں ہو جاتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ بے ادبی سے بھی آدمی بے ایمان ہو جاتا ہے۔ بڑے بھائی کے لیے یہ بات نہیں۔ کہ اس سے محبت ماں باپ اور اولاد بلکہ سارے لوگوں سے زیادہ ہوگی تو آدمی مومن ہوگا ورنہ نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ امر ثابت ہے۔ کہ جب تک حضور سے محبت ماں باپ اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ نہ ہوگی آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔ نماز پڑھتے ہُوئے نمازی کو بڑا بھائی بلائے۔ تو نمازی اپنے بڑے بھائی کے بلانے پر نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر نمازی کو بلائیں۔ تو نمازی پر واجب ہے۔ کہ وہ نماز چھوڑ کر حضور کی بات سنے۔ اور اس طرح

اس کی نماز ٹوٹے گی بھی نہیں۔

من خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم انّہ لو دعا انسانا وھو فی الصلاۃ اوجب علیہ الاجابۃ ولا تبطل صلاتہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ حضور اگر کسی انسان کو بلائیں جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو۔ تو نمازی پر واجب ہے کہ وہ حضور کو جواب دے اور حضور کی بات سنے اور حضور کو جواب دینے اور حضور کی بات سننے سے نمازی کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

(بخاری شریف حاشیہ صرا۱۶۱ اور بین السطور صر۲۴۲ م۶)

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع و اعلیٰ شان۔ کہ نماز میں بھی حضور کی بات سننا اور حضور کو جواب دینا واجب۔ اور نماز چھوڑ کر حضور کی بات سننے سے نماز ٹوٹتی بھی نہیں مگر کیا کہنے اس نام کی تقویتِ ایمان کے۔ کہ وہ حضور کو بڑا بھائی کا سا بنا رہی ہے۔ ایمان کی اگر یہی تقویت ہے تو یہ

گر ولی ایں است لعنت بر ولی

حکایت نمبر ۶۶

عرس

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سیالکوٹی علیہ الرحمۃ بڑے فاضل حاضر دماغ مناظر تھے۔ ایک بار ان سے ایک وہابی نے پوچھا۔ کہ آپ لوگ جو عرس کرتے ہیں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی عرس کیا؟ مولانا نے جواب دیا عرس اپنے سے بڑے کا ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اللہ ہے۔ اور اللہ موت سے پاک ہے

پھر حضور عرس کرتے کس کا؟

سبق

یہ اصول ہی غلط ہے کہ جو کام حضور نے نہ کیا ہو۔ وہ بدعت ہے۔ ورنہ کئی کام آج بدعت ہو جائیں گے۔ مثلاً ہر روز صبح بعد از نماز فجر درس قرآن دینا۔ سالانہ تبلیغی جلسے کرنا۔ ماہنامے جاری کرنا۔ ہفتہ وار اخبارات کا اجراء وغیرہ یہ سب کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کب کئے تھے؟ مگر آج یہ کام وہابی بھی کرتے ہیں۔ تو یہ کام اگر بدعت نہیں۔ تو عرس بھی بدعت نہیں۔

مزے کی بات یہ ہے۔ کہ ہم تو بزرگان کا عرس کرتے ہیں۔ اور منکرین عرس اپنے بڑوں کی برسی مناتے ہیں۔ چنانچہ مودودی صاحب اور مفتی محمود صاحب کی ہر سال برسیاں منائی جاتی ہیں۔ اور اخباروں میں جلی عنوانات سے یہ خبر درج ہوتی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دوسری برسی۔ مفتی محمود صاحب کی پہلی برسی۔

ولیوں کا عرس ہو جو تو بدعت بتایئے
اپنے بڑوں کی شوق سے برسی منایئے

حکایت نمبر ۶۷
ماتم

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار محرم شریف کے دنوں میں یہ رقعہ موصول ہوا۔ کہ آپ بھی امام حسین علیہ السلام کے محب ہیں۔ اور اپنے ہاں مجالسِ شہادت منعقد کر کے ذکر شہادت کرتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں۔ کہ اس دفعہ ماتم جلوس میں اپنے مقتدیوں سمیت آپ بھی شریک ہوں۔"

مولانا نے جمعہ کے روز تقریر کے دوران میں یہ رقعہ سُنا کر جواب دیا۔ کہ مجھے جلوسِ ماتم میں شرکت منظور ہے۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ چھاتیاں آپ کی ہوں۔ اور ہاتھ ہمارے۔"

سبق

شریعت میں مصیبت کے وقت سینہ کوبی اور جزع و فزع جائز ہی نہیں اس قسم کے جلوس اہلسنّت کے نزدیک ممنوع و ناجائز ہیں۔ تو ایسے جلوس میں شرکت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ فَاِذَا ذَهَبَ الرَّاسُ ذَهَبَ الْجَسَدُ كَذٰلِكَ اِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْاِیْمَانُ۔ (شیعہ حضرات کی کتاب اصول کافی صفحہ ۱۴۴)

یعنی صبر ایمان کے لیے بجائے سر ہے۔ سر کٹ جائے تو سر بیکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صبر چھوڑ دیا جائے تو ایمان جاتا رہتا ہے۔

میں نے لکھا ہے ؎

یہ فرق ان کے اور اپنے مابین ہے
یہاں صبر ہے اور وہاں بین ہے

حکایت نمبر ۶۸

امام حسین اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما

مولانا محمد افضل صاحب سیالکوٹی کو ایک مرتبہ کسی منکرِ صحابہ کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ تو انہوں نے کمرہ میں ایک فوٹو دیکھا۔ جس کے نیچے لکھا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا دُلدل۔ اس فوٹو پر صاحب خانہ نے ہار ڈالے ہُوئے تھے۔ مولانا نے پوچھا۔ بھئی! یہ کونسا گھوڑا ہے؟ صاحب خانہ نے بتایا۔ یہ امام مظلوم کا گھوڑا ہے جس پر آپ سوار ہوتے تھے۔ مولانا نے فرمایا۔ جس گھوڑے پر حضرت امام پاک سوار ہوں اس کی شبیہ کی تو اتنی تعظیم و عزت۔ اور جس ذاتِ گرامی کے کندھوں پر امام پاک کے نانا جان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم شبِ ہجرت سوار ہوں۔ یعنی صدیق اکبر ان کو گالیاں دی جائیں۔ کسقدر ظلم ہے۔

مولانا فرماتے ہیں۔ اس میری بات پر وہ خاموش ہو گیا۔

سبق

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضور نے ایک مرتبہ اپنے کندھوں پر بٹھایا ایک صحابی نے دیکھ کر کہا نِعْمَ الْمَرْكَب۔ بڑی اچھی سواری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نعم الراکب۔ سوار بھی بڑا اچھا ہے۔

"اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست" کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جو بلندیٔ شان ملی۔ یہ حضور ہی کا فیض ہے۔ اور یہ حضور ہی کی نظرِ رحمت ہے کہ کسی کو کندھوں پر بٹھا کر اس کی شان بلند کر رہے ہیں۔ تو کسی کے کندھوں پر بیٹھ کر اس

کی شان بلند کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ بھی رفعتِ شان کے مالک ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی رفعت شان کے مالک ہیں ؎

حضرت صدیق ہوں یا ہوں امام
ہم بصدق دل ہیں دونوں کے غلام

حکایت نمبر ۶۹
امرتسر میں عرس امام اعظمؒ

تقسیم سے پہلے امرتسر کی مسجد میاں جان محمد میں ہر سال امام اعظم علیہ الرحمۃ کا عرس بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا جس میں علماء کرام تشریف لا کر اپنے ایمان افروز بیانات سے مسلمانانِ امرتسر کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ اس عرس میں والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا احمد یار صاحب بہاولپوری علیہ الرحمۃ کو ضرور بلایا جاتا۔ مولانا احمد یار صاحب علیہ الرحمۃ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر اور حضورؐ کے فضائل جس انداز میں بیان فرماتے۔ وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔ فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان جھوم جھوم کر کرتے۔ خود بھی جھومتے۔ اور مجمع بھی جھوم اٹھتا۔ اللہ اکبر! کیا سرور اور کیا کیف پیدا ہوتا تھا۔ یہ سرور و کیف پیدا کرنا صرف علماءِ اہلسنت ہی کا حصہ ہے۔ دوسرے اس سے محروم ہیں۔

مولانا احمد یار صاحب علیہ الرحمۃ ہر سال فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے موضوع پر بیان فرماتے۔ ایک سال اس عرس میں مولوی بہاؤ الحق صاحب قاسمی

بھی شریک ہوئے۔ جو دیوبندی مسلک کے علمبردار تھے۔ انہوں نے منتظمین عرس کو کسی طرح اس امر پر آمادہ کر لیا۔ کہ اس دفعہ مولانا احمد یار صاحب کو فضائل امام اعظمؒ کا موضوع دیا جائے۔ مقصد ان کا یہ تھا۔ کہ فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نہ ہونے پائے۔ چنانچہ مولانا کو یہی موضوع دے دیا گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ مولانا کے بیان میں بہت سے دیوبندی حضرات بھی اس خوشی سے شریک ہوئے۔ کہ دیکھیں آج مولوی احمد یار صاحب کس طرح پھیکا پڑتا ہے۔ مگر شکر خور کو خدا شکر دے ہی دیتا ہے۔ کے مطابق حضرت مولانا احمد یار نے اپنا پسندیدہ موضوع دیکھئے کس طرح اپنا لیا۔ مولانا نے خطبہ پڑھنے کے بعد فرمایا،

مجھے اس سال فضائل امام اعظمؒ کا موضوع دیا گیا ہے۔ اور امام اعظم کا معنی ہے سب سے بڑا امام۔ ایک معنی حقیقی ہوتا ہے۔ اور ایک مجازی۔ مجازی معنی وہاں لیا جاتا ہے۔ جہاں حقیقت متعذر ہو۔ چونکہ امام اعظم حقیقی معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مجازی معنی میں امام ابو حنیفہ۔ اور یہاں حقیقت متعذر نہیں۔ میں حقیقی امام اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کر سکتا ہوں۔ اس لیے میں حقیقی امام اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کروں گا۔

یہ کہہ کر آپ اپنے پسندیدہ موضوع پر آ گئے۔ اور فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے انداز میں بیان فرمائے۔ کہ سینوں کے دل باغ باغ ہو گئے۔ اور دوسروں کے دل داغ داغ۔

سبق

" اپنا تو موضوع ہے بس اک ثنائے مصطفےٰ " کے مطابق خدا کے فضل و کرم سے علماء اہلسنت کا مخصوص موضوع یہی فضائل مصطفےٰ اور ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ ایک ایسا موضوع ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے بھی اپنے لیے پسند

فرمایا ہے۔ بڑے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو یہ موضوع اپناتے سنتے اور سناتے ہیں۔ اور بڑے ہی بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس موضوع سے گھبراتے اور کنزلتے ہیں۔ مخالفین نے بڑی کوششیں کیں اور کرتے ہیں۔ کہ یہ ذکر مٹے۔ مگر خدا فرماتا ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

اور اسی کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے اس شعر میں کیا ہے کہ

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

حکایت نمبر ۰ ۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

انجمن حزب الانصار بھیرہ کے ایک سالانہ جلسہ میں مَیں اور حضرت مولانا سید سعید احمد صاحب کاظمی مدظلہ شریک تھے۔ یہ انجمن علماءِ اہلسنّت کے ساتھ ساتھ مرزائیوں کے رد کے لیے احراریوں اور وہابیوں کو بھی بلایا کرتی تھی۔ چنانچہ ہمیں بالر پتہ چلا۔ کہ جیرسے احراری مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی آئے ہُوئے ہیں۔ حضرت مولانا کاظمی صاحب دامت برکاتہم نے فضائل رسول پر اپنی فاضلانہ تقریر فرمائی۔ اور اثناءِ تقریر میں یہ فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ دُوسرا کون جان سکتا ہے؟ مولانا کے بعد مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے تقریر کی اور کہا۔ واہ صاحب واہ۔ حضور کی حقیقت کو دوسرا کوئی کیوں نہیں جان سکتا۔ میں جانتا ہوں،

سب جانتے ہیں۔ یہ سب واعظانہ باتیں ہیں۔ کہ حضور کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت مولانا کاظمی نے صاحبِ صدر مولوی ظہور احمد صاحب سے کہا۔ کہ یہ شخص تو حدیث کی تکذیب کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:

لَمْ یَعْرِفْنِیْ حقیقتی غیرُ رَبِّیْ

میری حقیقت کو بغیر میرے رب کے دوسرا کوئی نہیں جانتا

مجھے وقت ملنا چاہیئے تاکہ میں جواب دوں۔ صاحبِ صدر نے کہا۔ میں اس تقریر کو بند کرا کے خود ہی اس کا جواب دے دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

رات کو ہم جب کھانا کھانے بیٹھے۔ تو گوشت میں کدو ڈالا گیا تھا۔ جو زیادہ گل جانے کے باعث شوربے میں گھل گیا تھا۔ مولوی حبیب الرحمٰن کھانا کھا کر ہاتھ دھونے لگے۔ تو ہاتھ دھلانے والے سے پوچھا "ارے بھئی! یہ گوشت میں کونسی سبزی تھی؟ ہم نے یہ کیا کھایا ہے؟ ہاتھ دھلانے والے نے برجستہ کہا:

"مولوی صاحب! یہ چیز جو ابھی آپ نے کھائی ہے اسے تو آپ جان نہیں سکے۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو آپ نے کیسے جان لیا؟" اس جملہ پر سب ہنس پڑے۔ اور لدھیانوی صاحب شرمندہ ہو گئے۔

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو واقعی اللہ ہی جانتا ہے۔ دیکھنے میں آپ لباسِ بشریت میں ملبوس ہیں۔ مگر حقیقت آپ کی ع "اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر" کے مطابق ہم سے پنہاں ہے ۔

محمد سرِّ وحدت ہیں کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہیں حقیقت میں خدا جانے

حکایت نمبر ۱۷۱

مسئلہ ظہار

ایک مرتبہ کھوڑ ضلع اٹک کے جلسہ میں گیا۔ تو وہاں کے احباب سے معلوم ہوا۔ کہ یہاں ایک دیوبندی مولوی آیا تھا۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ یہ بریلوی (اہلسنّت) رسول کو خدا کے مثل بنادیتے ہیں۔ پھر اس نے مسئلہ ظہار بیان کرکے کہا۔ کہ جو شخص اپنی بیوی کو ماں کی مثل کہہ دے۔ اس پر کفارہ لازم ہے۔ اسی طرح یہ بریلوی رسول کو خدا کی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ ان پر بھی کفارہ ہے۔

سامعین میں ایک سنی مولوی صاحب بھی بیٹھے تھے۔ وہ اُٹھے۔ اور کہنے لگے مولوی صاحب! جو شخص اپنی بیوی کو ماں کی مثل کہہ دے اس پر کفارہ لازم۔ اور جو نالائق اپنی ماں کو بیوی کی مثل کہہ دے اس پر کفر لازم۔ بقول آپ کے ہم تو رسول کو خدا کی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ مگر آپ تو رسول کو اپنی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ انصاف سے بتلایئے زیادہ مجرم کون ہے۔ بیوی کو ماں کہنے والا۔ یا ماں کو بیوی بنا لینے والا؟ — حاشا وکلا ہم میں سے تو کوئی بھی رسول کو خدا کی مثل نہیں کہتا۔ اور آپ کے چھوٹے بڑے سب اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ پڑھ پڑھ کر رسول کو اپنی مثل کہہ رہے ہیں۔

مولوی صاحب کی اس بات سے نعرے بلند ہوئے۔ اور دیوبندی مولوی کے بہتان بند ہوئے۔

سبق

ان مفتریوں کا یہ محض افترا ہے۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذاللہ خدا یا خدا کی مثل جانتے ہیں۔ ہاں یہ لوگ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر لکھتے

بھی ادر کہتے بھی ہیں۔ اور قرآن کی آیت اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کو انہوں نے اسی اپنے مقصد کے لیے یاد کر رکھا ہے۔

ہم حضور کی مطلق بشریت کے بھی منکر نہیں۔ انکار ہے تو مثلیت کا۔ آیت میں مِثْلُکُمْ حضور نے تواضعاً فرمایا ہے۔ اور وہ بھی کافروں سے مخاطب ہو کر (دیکھئے خازن) اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ کون ہے تم میں میری مثل (بخاری) پس جس گروہ سے مِثْلُکُمْ کا خطاب ہے۔ اس گروہ میں شامل ہو کر حضور کو اپنی مثل کہا جا سکتا ہے۔ اور جس گروہ کو اَیُّکُمْ مثلی کا خطاب ہے۔ وہ گروہ یہی کہے گا۔

ترا مسندِ ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

حکایت نمبر ۲۷
مرد افضل ہے یا عورت؟

یہ اس زمانہ کی بات ہے۔ جب میں لاہور دار العلوم حزب الاحناف میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن لاہور کی دیواروں پر ایک اشتہار چسپاں نظر آیا جس کا عنوان تھا

مرد افضل ہے یا عورت؟

اور اس عنوان کے ماتحت برکت علی محمڈن ہال میں ایک مناظرہ کی اطلاع درج تھی۔ اور لکھا تھا۔ فلاں تاریخ کو برکت علی محمڈن ہال میں اس موضوع پر مناظرہ ہوگا۔

کہ مرد افضل ہے یا عورت؟

یہ دلچسپ مناظرہ سننے کے لیے میں بھی وقت پر مناظرہ گاہ میں پہنچ گیا۔ مزے کی بات یہ کہ اس مناظرے میں عورت کوئی نہ تھی۔ سب مرد ہی تھے۔ مرد کی افضلیت کے قائل بھی مرد اور عورت کی افضلیت کے قائل بھی مرد ہی تھے۔ اور دونوں فریق ایک ہی سٹیج پر بیٹھے تھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ تو پہلے مرد کے افضل ہونے کے قائلین میں سے ایک صاحب اٹھے اور کہا

حضرات! مرد کی ساخت اور اس کی ہیئت وصورت سے یہ امر صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ مرد عورت سے افضل ہے۔ مرد بارعب ہے۔ حاکم ہے یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا کے بادشاہ و سلطان مرد ہی گذرے ہیں۔ عورت ان اوصاف سے خالی ہے۔ لہذا عورت مرد سے کسی طرح افضل نہیں ہو سکتی۔

اب باری تھی دوسرے فریق کے بولنے کی۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب اُٹھے۔ اور کہا

حضرات! عورت اپنی شکل وصورت میں مرد سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ عورتیں بھی حاکم گذری ہیں۔ مثلاً ملکہ وکٹوریہ۔ مرد ظالم ہے۔ یہ عورت کو حکومت کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیتا۔ مرد جھوٹا بھی ہے۔ اور عورت جھوٹ نہیں بولتی۔ لہذا عورت مرد سے افضل ہے۔

اب پھر فضیلتِ مرد کے قائلین میں سے ایک صاحب اُٹھے اور بولے

حضرات! چونکہ یہ صاحب خود بھی مرد ہیں۔ لہذا انہوں نے بھی جو کچھ کہا ہے سب جھوٹ ہی ہے۔ لہذا مرد ہی افضل ہے۔ اور پھر کہا۔ کہ یہ بات غلط ہے۔ کہ عورت مرد سے زیادہ خوبصورت ہے۔ دیکھئے مرغی سے مرغ زیادہ خوبصورت ہے۔ مور کی مادہ سے نر زیادہ خوبصورت ہے۔ اسی طرح عورت سے بھی زیادہ مرد ہی

خوبصورت ہے ۔

پھر ایک صاحب عورتوں کی حمایت میں اٹھے ۔ اور بولے

دیکھیے صاحبان! میں ایک مثال پیش کرتا ہوں ۔ بالفرض اگر دنیا کی ساری عورتیں دریا برد کر دی جائیں ۔ اور دنیا میں صرف مرد ہی مرد رہ جائیں ۔ تو یہ سب کے سب ایک ایک کر کے مر جائیں گے ۔ اور دنیا نوع انسانی سے خالی ہو جائیگی اس لیے کہ بغیر عورت کے نسل انسانی آگے چل ہی نہیں سکے گی ۔ مگر برعکس اس کے اگر سارے مرد دریا برد کر دیئے جائیں ۔ اور دنیا میں صرف عورتیں ہی رہ جائیں تو تو کئی عورتیں حاملہ بھی ہوں گی ۔ جن سے نسلِ انسانی پھر آگے بڑھ سکتی ہے ۔ اور دنیا نسل انسانی سے خالی نہ رہ جائے گی ۔ پس ثابت ہوا کہ عورت افضل ہے ۔

مردوں کی طرف سے ایک صاحب اُٹھے ۔ اور فرمایا کہ

عورت کا "امید" سے ہونا یہ بھی مرد کی بدولت ہے ۔ اور میں بھی ایک مثال پیش کرتا ہوں ۔ دیکھیئے سائیکل ایک سواری ہے ۔ اور اس پر بیٹھنے والا سوار ۔ تو کیا یہ ممکن ہے ۔ کہ سائیکل اس سوار سے افضل ہو جائے ؟

ہر دو جانب سے اسی طرز کی گفتگو ہوتی رہی ۔ حتیٰ کہ عورتوں کے طرفداروں میں سے ایک صاحب اُٹھے اور بولے

دیکھئے صاحبان! اسلام میں ماں کے پیروں تلے جنّت بتائی گئی ہے ۔ باپ کے پیروں تلے نہیں ۔ لہٰذا عورت افضل ہے ۔

اس کے جواب میں مردوں کے طرفداروں میں سے ایک صاحب اٹھے اور فرمایا اور یہ ارشاد فرمانے والے خود مرد تھے ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا ثابت ہوا کہ مرد ہی افضل ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچی ۔ تو مناظرہ ختم ہو گیا ۔ اور منصف صاحب نے اُٹھ کر اپنا فیصلہ سنایا کہ مرد ہی افضل ہے ۔ عورت نہیں ۔

اس فیصلہ کے بعد امرت دھارا کے موجد پنڈت ٹھاکر دت اُٹھے اور کہا متر و! میری بھی ایک بات سنتے جاؤ۔ ایک کہانی مشہور ہے۔ کہ ایک شکاری نے جنگل سے ایک زندہ شیر پکڑا۔ اور اُسے پنجرہ میں بند کر کے شہر لے آیا۔ شہر کی ایک دیوار پر کسی مصوّر نے ایک تصویر بنا رکھی تھی۔ جس میں ایک شیر مرا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اور شکاری بندوق لیے فاتحانہ طور پر شیر کے سرہانے کھڑا تھا۔ اس شکاری نے جو زندہ شیر کو پنجرے میں بند کر کے شہر لا رہا تھا۔ شیر سے کہا۔ وہ سامنے دیوار پر دیکھو تمہارا ایک بھائی مرا ہوا نیچے پڑا ہے۔ اور میرا بھائی اس کے سرہانے کھڑا ہے۔ اس شیر نے جو پنجرے میں بند تھا جواب دیا۔ جناب! یہ تصویر بنانے والا بھی چونکہ تمہارا ہی بھائی کوئی انسان ہے۔ اس لیے تصویر کا نقشہ یہ ہے۔ اگر مصوّر میرا بھائی کوئی شیر ہوتا تو تصویر کا نقشہ اس کے برعکس ہوتا۔ یعنی آدمی مرا ہوا نیچے پڑا ہوتا۔ اور شیر فاتحانہ طور پر اس کے سرہانے کھڑا ہوتا۔

پنڈت جی نے یہ کہانی سنا کر کہا۔ صاحبان! مردوں کی فضیلت بیان کرنے والے بھی مرد۔ عورتوں کی فضیلت بیان کرنے والے بھی مرد۔ اور فیصلہ دینے والا بھی مرد۔ میرا دعویٰ ہے۔ کہ اس جلسہ میں اگر ایک بھی "شریمتی" آجائے۔ تو سب کے سب ہاتھ جوڑ کر یہی کہنے لگیں گے۔ کہ عورت افضل ہے۔ منصف صاحب کو بھی اپنا فیصلہ تبدیل کر کے یہی کہنا پڑے گا کہ عورت افضل ہے مرد نہیں۔

پنڈت جی کی اس بات پر سارا مجمع ہنسنے لگا۔

سبق

مرد ہی عورت سے افضل ہے۔ خدا فرماتا ہے: اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لیے کہ

اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔"

اس آیت پر صاحبِ تفسیر خزائن العرفان فرماتے ہیں۔ کہ "مردوں کو عورتوں پر عقل و دانائی اور نبوت و خلافت و امامت و اذان۔ خطبہ و جماعت اور جمعہ و تکبیر تشریق اور حدود و قصاص کی شہادت اور ورثہ میں دونے حصّے اور تعصیب و نکاح و طلاق کے مالک ہونے اور نسبوں کے ان کی طرف نسبت کیے جانے اور نماز روزہ کے کامل طور پہ قابل ہونے کے ساتھ کہ ان کے لیے کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے کہ نماز روزہ کے قابل نہ ہوں۔ اور داڑھیوں اور عماموں کے ساتھ فضیلت دی۔"

یہ فیصلہ ہے اس کا جو مردوں اور عورتوں کا خالق ہے۔ پس حق یہی ہے جو حق تعالیٰ نے فرمادیا۔ اور مردانگی بھی یہی ہے۔ کہ اپنا حق نہ چھوڑے۔ یہ مردانگی نہیں کہ عورت کو مرد سے افضل سمجھنے لگے۔

مرد کے افضل ہونے کی سب سے زیادہ وزنی اور ایمان افروز دلیل مناظرہ میں یہ آخری دلیل تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرد ہیں۔ اس لیے مرد افضل ہے۔

علماء اہلسنّت کی حکایات میں اس حکایت کو میں نے دو وجہوں سے درج کیا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ حکایت دلچسپ ہے۔ دوسرے اس لیے کہ یہ علماء اہلسنت ہی کا شیوہ ہے۔ کہ کوئی سا سٹیج ہو اور کوئی بھی موضوع ہو انہیں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیے بغیر قرار نہیں ملتا۔ اور وہ پھر پھرا کر ذکرِ مصطفےٰ کی طرف آجاتے ہیں۔ اس مناظرہ میں آخری دلیل دینے والے نے بھی علماء اہلسنّت کا کردار ادا کیا ہے اور مرد کے افضل ہونے پر یہ دلیل دی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرد ہیں۔ لہٰذا مرد افضل ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ مناظرہ میں اس دلیل سے بڑی اور کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ واقعی مرد کو بھی جو فضیلت ملی حضورؐ کی بدولت ملی ؎

لا و ربّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہؐ کی

سے متعلق

حکایت نمبر ۳۰۷

سگِ طیبہ

سنہ ۱۹۵۴ء میں جب میں حج کے لیئے گیا۔ اور مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوا۔ تو وہاں ایک مدنی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس نورانی شہر کے اس نورانی ڈاکٹر سے مدینہ منورہ کی نورانی باتیں سُنتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے یہ واقعہ بھی سنایا کہ آپ کے پنجاب کے مشہور عاشقِ رسول بزرگ پیر سید جماعت علی شاہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے تو ان کے کسی مرید نے مدینہ شریف کے ایک کتّے کو اتفاقاً ڈھیلا مار دیا۔ جس کی چوٹ سے کتا چیخا۔ حضرت شاہ صاحب سے کسی نے کہہ دیا۔ کہ آپ کے فلاں مرید نے مدینہ شریف کے ایک کُتّے کو مارا ہے۔ حضرت شاہ صاحب یہ سن کر بے چین ہو گئے۔ اور اپنے مریدوں کو حکم دیا۔ کہ فوراً اس کتّے کی تلاش کر کے اسے گود میں اٹھا کر یہاں لاؤ۔ چنانچہ کتّا لایا گیا۔ شاہ صاحب اُٹھے۔ اور روتے ہوئے اس کتّے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ کہ اسے دیارِ حبیب کے رہنے والے! للہ میرے مرید کی اس لغزش کو معاف کر دے۔ پھر بھنا ہوا گوشت اور دودھ منگوایا۔ اور اسے کھلایا پلایا۔ پھر اس سے کہا۔ کہ جماعت علی شاہ تجھ سے معافی چاہتا ہے۔ خدارا مجھے معاف کر دینا۔

سبق

یہ محبت کا کرشمہ اور پیار کی باتیں ہیں۔ اور الحمدللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار و محبت اللہ تعالیٰ اہلسنّت کو عطا فرمایا ہے۔ اولیاء و علماء اہلسنّت کو مدینہ منورہ اور مدینہ منورہ کی ہر چیز سے محبت و پیار ہے۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے کتّے بھی انہیں

پیارے ہیں۔ اور انہیں مدینہ منورہ کے کتوں پر بھی رشک آتا ہے۔ اور بقول حضرت بیدم وارثی علیہ الرحمۃ ان کی تمنا یہ ہوتی ہے ۔

سگِ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدم
یہی رکھیں مری پہچان مدینے والے

حکایت نمبر ۲۴۷

سگانِ طیبہ

۱۹۶۰ء میں جب میں دوسری مرتبہ حج کے لیے گیا ہوں۔ تو خدا کے فضل و کرم سے مدینہ منورہ میں پورے چھبیس روز رہنا نصیب ہوا۔ ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ کی حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اپنی قیامگاہ سے مسجد نبوی کو جاتے ہوئے راستے میں ایک مقام پر مجھے چار کتے بیٹھے ہوئے نظر آئے ۔ وہ چاروں کتے بڑی خاموشی سے بیٹھے ہوئے دیکھے۔ ہر روز جب بھی میں وہاں سے گذرتا۔ ان کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھتا۔ چھبیس روز تک میں نے انہیں وہاں دیکھا۔ اور بخدا ایک مرتبہ بھی تو انہیں میں نے بھونکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور اگر کوئی شخص ہاتھ میں روٹی پکڑے ہوئے وہاں سے گذرا ۔ تو انہیں اس کے پیچھے پڑتا ہوا نہیں دیکھا۔ میں نے مدنی ڈاکٹر سے اس بات کا ذکر کیا ۔ تو انہوں نے کہا۔ یہ مدینہ منورہ کے کتے ہیں۔ ان کا یہی شیوہ ہے ۔

سبق

سبحان اللہ! مدینہ منورہ کی کیا شان ہے ۔ جہاں کے کتے بھی نہیں بھونکتے

اور ہمارا ملک بھی ہے جہاں کے گستاخ بندے بھی بھونکتے ہیں۔ وہاں کے کتے بھی روٹی کے پیچھے نہیں پڑتے اور یہاں کے بعض بندے بھی ووٹ بھی دیتے ہیں تو روٹی کو۔ یارسول اللہ ؐ ؂

تجھ سے در۔ در سے سگ۔ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں رہے دور کا ڈورا تیرا

حکایت نمبر ۵۷

سائلِ مدینہ

مدینہ منورہ کی حاضری کے دنوں میں حضرت مولانا ضیاالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا۔ کہ ایک مولوی صاحب سے مدینہ منورہ کے سائل نے اس طرح سوال کیا۔

اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ

یہ قرآن پاک کی آیت ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ کہ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈالو۔ تو سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔"

اس آیت سے سائلِ مدینہ نے اپنا مطلب بیان کیا۔ کہ مولانا اپنی جیب میں ہاتھ ڈالیے۔ اور چمکتا ہوا سفید یعنی روپیہ نکالیے۔

مولوی صاحب نے ایک پیسہ دینا چاہا۔ تو سائل نے بار بار یہی کہنا شروع کیا۔ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ۔ گویا روپیہ ہی مانگتا تھا۔

مولوی صاحب کو بھی قرآنی آیت ہی سے جواب سوجھا۔ اور پیسہ ہی بڑھا کر بولے:

فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ میں نے تجھے جو دیا لے لے اور شکر کر۔" مولوی صاحب نے بھی پیسہ دے گویا یہ کہا۔ کہ یہ پیسہ ہی لے لو اور شکر کرو۔

سبق

مدینہ منورہ کے سائل بھی سامنے آئیں۔ تو قرآن پاک یاد آنے لگتا ہے۔ مدینہ منورہ کی ہر بات نرالی اور ایمان افروز ہے۔ اس سائل کی طرح میں نے وہاں ایک شیر فروش کو دیکھا۔ جو بڑے ہی پیارے لہجہ میں آواز دے رہا تھا

اِشْرَبُوا الْحَلِيْبَ وَصَلُّوا عَلَى الْحَبِيْبِ

پیئو دودھ اور پڑھو درود

اس کی یہ آواز سن کر وجد ہی تو آگیا۔ سبحان اللہ! کیسی ایمان افروز صدا ہے۔ پسچ ہے ؎

نہ جنّت نہ جنّت کی گلیوں میں دیکھا

مزہ جو مدینے کی گلیوں میں دیکھا

حکایت نمبر ۱۷۶
صَلِّ عَلَى النَّبِیّ

مدینہ منورہ کی زبان بھی کچھ ایسی پیاری اور دلآویز ہے کہ جی چاہتا ہے سُنتے ہی چلے جائیں۔ آپ کسی دکان پر چلے جائیے اور کسی چیز کا سودا کیجئے۔ تو دکاندار

آپ کو اس چیز کی جو قیمت بتائے گا۔ اگر آپ نے اس سے کم بتائی تو دکاندار آپ کی بتائی ہوئی قیمت کو نامنظور ان لفظوں میں کرے گا۔ یا شیخ صَلِّ علے النّبی۔ اور اگر گاہک دکاندار کی بتائی ہوئی قیمت کو زیادہ سمجھتا ہے۔ تو گاہک بھی اتنی زیادہ قیمت کی نامنظوری کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے۔ کہ صَلِّ عَلَے النّبی۔ گویا ہر بات میں درود پاک ذکر ضرور ہوتا ہے۔ دو آدمی لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان دونوں کی لڑائی ختم کرانے کے لیے آپ لاکھ جتن کر چکے ہوں۔ اور وہ لڑائی ختم نہ ہوتی ہو۔ تو آپ ان دونوں کے درمیان جا کر صرف اتنا کہہ دیجئے۔ صَلِّ عَلَے النّبی۔ بس لڑائی وہیں ختم۔ سبحان اللہ! کیا عجیب فضا ہے۔ اور ہر دکان ہر مکان پر درود و سلام اور نبی کا نام موجود ہے۔ یہ جملہ صل علے النبی نہ صرف مدینہ منورہ ہی کے باشندوں بلکہ مکہ معظمہ کے ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت کی زبان پر بالعموم جاری رہتا ہے۔ خرید و فروخت کھانے پینے اور لڑائی جھگڑے مٹانے کے لیے اور دیگر مواقع پر بھی۔ یہی ایک جملہ مقدسہ ہے۔ جو سب کی زبان پر جاری رہتا ہے۔ اور کچھ اس طرح کہ بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے۔

سبق

یہ ہے مدینہ منورہ کے نورانی باشندوں کا دستورِ مسعود۔ کہ اُٹھتے بیٹھتے۔ کوئی چیز لیتے دیتے وقت کہتے ہیں صَلِّ علے النّبی پڑھو درود۔ اور ایک ہمارے ہاں کے بھی بعض لوگ ہیں۔ کہ کوئی کسی وقت اگر درود پڑھ لے۔ تو کہتے ہیں۔ اس وقت درود و سلام پڑھنا کہاں لکھا ہے؟ وہ مدینہ منورہ کے مسلمان ہیں۔ جو لڑائی جھگڑا ہوتا ہو۔ تو درود و سلام کے نام سے لڑائی جھگڑا ختم کر دیتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں کے بعض مسلمان ہیں۔ جو موذن کو اذان سے پہلے درود و سلام پڑھتے سن لیں۔ تو لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔

ہمیں مدینہ منورہ کے مسلمانوں کا دستورِ مسعود پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اور حتی الامکان جب بھی موقعہ ملے۔ درود شریف کثرت سے وردِ زبان رکھنا چاہیئے اس لیے کہ ؎

ہر مرض کی دوا درود شریف

حکایت نمبر ۶۷
رشید کی بات

مدینہ منورہ میں عزیزی رشید احمد (عمر آٹھ سال) بھی میرے ساتھ تھا۔ اور اس کا چھوٹا بھائی بلال احمد بھی (عمر چھ سال) یہ دونوں بھائی بھی مدینہ منورہ میں اس جملہ مقدسہ صَلِّ علے النبیؐ سے واقف ہو چکے تھے۔ اور جان گئے تھے۔ کہ دو آدمی غصّہ میں آکر لڑ رہے ہوں۔ تو اگر ان سے کہہ دیا جائے۔ صَلِّ علے النبیؐ۔ تو دونوں کا غصّہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ میں اپنی جائے قیام پر آیا۔ تو دیکھا۔ دونوں بھائی شوخی کر رہے ہیں۔ میں نے روکا۔ مگر رکے نہیں مجھے غصّہ آگیا۔ اور میں نے انہیں غصّہ سے دیکھ کر ڈانٹا۔ رشید جو ماشاء اللہ بڑا ہی دانا ہے۔ میرے تیور دیکھ کر کہنے لگا۔ ابّا جی صَلِّ علے النبیؐ۔

کچھ نہ پوچھئے۔ میری کیا کیفیت ہوئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور سارا غصّہ ایک دم جاتا رہا۔ اور میں اس پیارے منہ کو جس سے یہ پیارا جملہ جملہ نکلا۔ چومنے لگا۔

سبق

رشید نے مجھے یہ سبق بھی دے دیا۔ کہ اگر مجھ گنہ گار پر قیامت کے روز خداوند ذوالجلال کو جلال آ گیا۔ تو میں بھی انشاءاللہ خداوند کریم سے یوں عرض کروں گا۔ الٰہی صَلِّ عَلَی النَّبِیّ۔ تو یقیناً خداوند کریم کا جلال بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اور اس کی رحمت اپنی آغوش میں لے لے گی۔ اور میں یہ عرض کروں گا۔

صدقے اس رحم کے اس سایۂ رحمت پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

حکایت نمبر ۸۷
مولوی عطاء المصطفےٰ جمیل کی تمنا

۱۹۶۰ء میں جب میں حج کے لیے گیا ہوں۔ تو میرے ہمراہ عزیزی رشید احمد (عمر آٹھ سال) اور عزیزی بلال احمد (عمر چھ سال) اور ان کی والدہ بھی تھی۔ وزیر آباد تک بہت سے عزیز و اقارب اور دوست احباب بھی ہمارے ساتھ آئے۔ جنہوں نے وزیر آباد سے ہمیں رخصت کیا۔ عزیزی مولوی عطاء المصطفےٰ جمیل ایم اے بھی وزیر آباد تک ساتھ آیا تھا۔ جب وہ آگے بڑھا۔ تو میرے ہاتھ چوم کر رونے لگا۔ اور کہنے لگا۔ اباجی! روضۂ انور کی حاضری کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ میں میرا بھی سلام عرض کر کے میرا یہ شعر پڑھ دیجئے گا۔

جمیلت در فراقت ہست بسمل
برا او کن لطف آقائے مدینہ

ماشاء اللہ اس وقت چھوٹی سی عمر میں اس کا یہ جذبہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا یہ شعر عرض کر کے اس کی تمنا پیش کر دی۔

سبق

علماء اہلسنت کا یہ امتیازی وصف ہے۔ کہ ان کے دلوں میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ میں حاضری کی تمنا رہتی ہے۔ اور وہ یہی لگن مسلمانوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ عزیزم مولوی عطاء المصطفٰے اجمیل کی یہ محبت نبوی اسے اپنے داداجان حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ سے ورثہ میں ملی ہے۔ میں نے اس کی تمنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کر دی۔ اور حضورؐ نے اس کی تمنا پوری فرما دی۔ کہ وہ خدا کے فضل سے چار مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار کی حاضری سے مشرف ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ تو رمضان شریف کے مہینہ میں حاضر ہو کر عید الفطر بھی اس نے حضور کے قدموں میں کی۔ اور اس کی اس خوش نصیبی پر میں نے یہ اشعار لکھے تھے ۔

ہے یہ عطا حضور پہ رب مجید کی — فریاد سنتے ہیں وہ قریب و بعید کی!
ایمان کا گذر ہی نہیں ایسے قلب میں — حسرت نہیں ہے جس میں مدینے کی دید کی
میرے جمیل تم تو بڑے خوش نصیب ہو — سرکار کے حضور میں تم نے جو عید کی

حکایت نمبر ۹۷
مدینہ منوّرہ کی محفلِ میلاد

۱۹۶۰ء میں جب میں حج کے لیے گیا تو بچے بھی میرے ساتھ تھے۔ مدینہ منورہ میں

حضرت غلام حیدر صاحب ہمارے معلم تھے۔ راولپنڈی کے پروفیسر جناب شاہ عبدالرحمٰن صاحب بھی مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے ایک روز میرے پاس آئے۔ اور فرمایا۔ کہ حضرت غلام حیدر صاحب کل بعد نماز جمعہ اپنے مکان میں محفل میلاد منعقد کرنیوالے ہیں۔ میرے وہ خاص کرم فرما ہیں۔ مجھے انہوں نے کل کی محفل میں شرکت کے لیے فرمایا ہے۔ اور میں نے ان سے کہا ہے۔ کہ اس محفل میں مولانا محمد بشیر کو بھی جو آپ ہی کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بلائیے۔ اور ان سے کچھ بیان بھی سنئے۔ حضرت غلام حیدر نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بیان بھی کر لیتے ہیں۔ تو میں نے کہا۔ ہاں۔ چنانچہ جمعہ کے روز حضرت غلام حیدر صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ آج بعد از نماز جمعہ آپ کھانا میرے مکان پر کھائیں۔ اور محفل میلاد میں بھی شرکت کریں۔ میں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ اور بعد جمعہ ان کے مکان پر گیا۔ رشید و بلال بھی میرے ساتھ تھے۔ مجھ سے قبل حضرت خواجہ قطب الدین صاحب تونسہ شریف اور ان کے چند خدام۔ پروفیسر شاہ عبدالرحمٰن صاحب راولپنڈی اور کراچی و گوجرانوالہ کے چند معزز حضرات وہاں پہنچ چکے تھے۔ پر تکلف مدنی دعوت کے بعد محفل پاک کا افتتاح تلاوت و نعت خوانی سے ہوا۔ پھر مجھے کچھ سنانے کے لیے کہا گیا۔ میں نے اس مختصر سی محفل پاک میں اعلٰحضرت کی نعت "چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے" پڑھی۔ مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر اور روضہ انور کے بالکل قریب اس مکان میں جب میں نے یہ شعر پڑھا۔

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
فقیروں غریبوں کے ٹھہرانے والے

تو میری کیفیت کیا عرض کروں کیا تھی؟ سامعین پر بھی کیفیت طاری اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر میں نے حاضری مدینہ منورہ کی برکتیں اور اس نعمت کی عظمت کا بیان شروع کیا۔ اور اثناءِ بیان میں یہ شعر پڑھا ؎

کرم یا محمدؐ کرم یا محمدؐ
کہ در پہ تمہارا غلام آ گیا ہے!

کیا عرض کروں۔ اس شعر نے کیا لطف و سرور پیدا کیا۔ سرزمینِ طیبہ۔ اور روضہ اقدس کی قربت اور غلاموں کا بھیک مانگنے کے لیے بارگاہِ عالی میں حاضر ہونا ان حقائق کے پیشِ نظر یہ شعر پڑھتے ہوئے اس گنہ گار کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آنکھوں سے عقیدت کے موتی جھڑنے لگے۔ اور دستِ سوال اوپر اُٹھ گیا اور زبان بار بار یہی شعر دُہرانے لگی۔

کرم یا محمدؐ کرم یا محمدؐ
کہ در پہ تمہارا غلام آ گیا ہے!

یہ حقیقت تھی کہ اُس وقت حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ رحمت خاص طور پہ اس محفل پر منعطف تھی۔ اور سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے میرے اس شعر کو بار بار پڑھنے اور دُہرانے سے کیفیت یہ پیدا ہو گئی۔ کہ حضرت خواجہ قطب الدین پہ بیخودی طاری ہو گئی۔ اور روتے ہوئے وہ بھی یہی شعر پڑھنے لگے:

کرم یا محمدؐ کرم یا محمدؐ
کہ در پہ تمہارا غلام آ گیا ہے!

اس کے بعد پھر پروفیسر صاحب نے اسی کیفیت کے ساتھ یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر دوسرے صاحب نے بھی پھر تیسرے نے بھی حتّٰی کہ غلام حیدر صاحب بھی کیفیت میں بے ساختہ پکار اُٹھے

کرم یا محمدؐ کرم یا محمدؐ
کہ در پہ تمہارا غلام آ گیا ہے!

اب اس محفل میں عجیب رنگ پیدا ہو چکا تھا۔ سب رو رہے تھے۔ اور سب

کے ہاتھ اُوپر اُٹھے ہوئے تھے۔ اور سب اپنی اپنی دھن میں یہی پڑھ رہے تھے۔

کرم یا محمدؐ کرم یا محمدؐ
کہ در پر تمہارا غلام آ گیا ہے!

تھوڑی دیر کے بعد میرے کانوں نے سنا۔ کہ خواجہ قطب الدین صاحب اس شعر کو یوں پڑھ رہے ہیں

کرم یا محمدؐ کرم یا محمدؐ
کہ در پر تمہارے غلام آ گئے ہیں

گویا کہ ہم سارے کے سارے ہی حضور کے غلام ہیں جو بھیک مانگنے کو حاضر ہو گئے ہیں۔ یا رسول اللہ کرم فرمایئے اور بھیک دیجئے۔

سبحان اللہ! اس محفل پاک کا کیف و سرور کبھی نہ بھولے گا

یہ محفل پھر قیام و سلام پر ختم ہوئی۔ اس گنہ گار نے مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" اعلیٰ حضرت کا یہ سلام پڑھا۔ اور دعا ہوئی۔ بعد از دعا میں نے رشید و بلال کو دیکھا جن کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا۔ کہ آقا کے حضور یہ ننھے سائل بھی اپنے داتا سے رو رو کر بھیک مانگ رہے تھے۔

حضرت غلام حیدر صاحب مجھ سے بڑی محبّت و شفقت کے ساتھ ملے۔ اور بَارَكَ اللهُ وَ اَحْسَنْتَ کے مبارک کلمات سے داد دعا دی۔ اور فرمایا۔ مجھے تعارف حاصل نہ تھا۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا۔ کہ مولانا تو اپنے ملک میں شیر پنجاب کے نام سے مشہور ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت غلام حیدر صاحب نے ایک بڑے مزے کی بات ارشاد فرمائی فرمایا۔ یہاں بڑے بڑے ذی علم۔ ذی جاہ۔ بادشاہ اور امیر و وزیر سبھی آتے ہیں مگر یہاں جن کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے کسی کی کوئی امتیازی حیثیت ظاہر نہیں رہتی۔ اس بارگاہ کے سبھی غلام ہیں۔ اور سبھی یہاں محتاج و سائل بن کر

آتے ہیں۔ اپنے اپنے ہاں کوئی کچھ بھی ہو۔ مگر یہاں تو حضور ہی کا جلوہ ہیں۔ حضرت غلام حیدر صاحب کا یہ ایمان افروز ارشاد سُن کر دل بیحد خوش ہوا۔

سبق

حضرت غلام حیدر نے جو فرمایا۔ بالکل درست فرمایا۔ دریا جب تک سمندر سے دور ہے اس کی امتیازی حیثیت باقی ہے۔ کوئی راوی کہلاتا ہے۔ کوئی چناب اور کوئی ستلج کوئی بیاس مگر جب یہ اپنے اصل سمندر سے جا ملتے ہیں۔ تو نہ راوی کا نام باقی رہتا ہے نہ چناب کا۔ نہ ستلج کا اور نہ بیاس کا۔ پھر تو سمندر ہی سمندر ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھی ایک ناپیدکنار سمندر ہے۔ اور اسی سمندر سے تمام نعمتیں تمام رفعتیں اور تمام خوبیاں نکلیں ؎

اسی دریا سے یہ نہریں ہوئی جاری ساری

اور یہ نہریں جب اپنے اپنے علاقوں میں ہوتی ہیں۔ تو ان کے امتیازی وصف نمایاں نظر آتے ہیں۔ مگر جب یہ اپنے اصل سے آملتی ہیں۔ تو پھر مطابق ؏

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے۔

ہر سمت حضور ہی حضور نظر آتے ہیں۔ کوئی شیر پنجاب ہو۔ یا افضل العلماء، غوث زمانہ ہو۔ یا تاج الاولیاء، جب مدینہ منورہ میں حاضر ہوتا ہے۔ تو اس کی اپنی ساری حیثیتیں اس بحر ذخار میں مل کر ظاہر نہیں رہتیں۔ اور بڑے بڑے علم و فضل اور قرب والے بھی یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ تو اس طرح کہ ؎

کوئی جانے منہ میں زباں نہیں
نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

اسی لیے شاعر نے لکھا ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حکایت نمبر ۸۰

مسجد نبوی میں قیام و سلام

ایک نابینا حافظ صاحب جو کئی مرتبہ فیصل آباد کے جلسوں میں نعت پڑھتے ہوئے دیکھے اور جو بڑے ہی خوش گلو اور ذوق و شوق سے نعت پڑھا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ کی ایک محفل میلاد میں دیکھے۔ انہوں نے نعت پڑھی اور میں نے تقریر کی۔ بڑا لطف رہا۔ پھر مدینہ منورہ میں بھی ان حافظ صاحب کی زیارت ہوئی اور عجیب رنگ میں۔ حافظ صاحب مسجد نبوی کے صحن میں پہنچے۔ تو روضہ شریف کے روبرو ہو کر قیام کر کے بآوازِ بلند پڑھنے لگے۔

یا نبی سلام علیک — یا رسول علیک
یا حبیب سلام علیک — صلوٰۃ اللہ علیک

یہ ایمان افروز آواز سُن کر حاضرین مسجد حافظ صاحب کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ اور سب مل کر سلام پڑھنے لگے۔ عجیب رنگ پیدا ہو گیا۔ اتنے میں نجدی سپاہی آ گیا۔ اور حافظ صاحب کو روکنے لگا۔ مگر حافظ صاحب اپنی دُھن میں مگن سلام پڑھتے رہے۔ پھر وہ سپاہی لوگوں سے کہنے لگا۔ کہ سلام مت پڑھو۔ لوگوں نے کہا۔ کہ جالی شریف کے سامنے بھی تو ہزارہا غلامانِ رسول

قیام ہی میں سلام پڑھتے ہیں اور یہاں ہم بھی سلام ہی پڑھ رہے ہیں۔ پھر روکتے کیوں ہو؟ سپاہی نے منت سے کہا۔ ٹھیک ہے۔ مگر ہمیں حکم یہی ہے۔ اس لیے کرم کیجئے۔ اور وہیں چل کر پڑھیئے۔ اسی تکرار میں عاشقانِ قیام و سلام نے کچھ نہ کچھ اپنے دل کا شوق پورا کر ہی لیا۔

سبق

یہ منکرین بھی عجیب لوگ ہیں۔ جس بات کو روضہ شریف سے دور شرک اور حرام بتاتے ہیں۔ اسی بات کو روضہ شریف کے سامنے جائز بتاتے ہیں۔ حالانکہ شرک و حرام جو ہے وہ ہر جگہ شرک و حرام ہی ہے۔ ہم نے دیکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں کوئی دست بستہ سلام عرض کرتا۔ تو نجدی ہاتھ کھلوا دیتے۔ کہ یہ تو صورت نماز کی ہے۔ حالانکہ صورت نماز کی قیام بھی ہے۔ اور اگر کوئی بیٹھ کر دو زانو ہو کر سلام پڑھے گا۔ تو یہ بھی صورت نماز کی ہو جائے گی۔ نمازی التحیات میں اسی طرح بیٹھتا ہے۔ ہاتھ چھوڑ کر سلام پڑھا جائے۔ تو یہ بھی صورت نماز کی ہے۔ نمازی رکوع سے اٹھتا ہے۔ تو ہاتھ چھوڑے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔ ان منکرین سے کوئی پوچھے کہ تم چاہتے کیا ہو! سچ پوچھیئے۔ تو اگر ان کا بس چلے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کی حاضری ہی کو یہ شرک قرار دیدیں۔ مگر انشاء اللہ ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔ درود و سلام کے نغمات گونجتے رہے گونج رہے ہیں اور گونجتے رہیں گے ۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

حکایت نمبر ۱۸۱

نجدی سپاہی سے جھڑپ

۱۹۵۴ء میں جب میں حج کے لیے گیا۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ نجدی سپاہی روضہ شریف کی جالی کو چومنا تو شرک سمجھتے ہی ہیں۔ وہ مسجدِ نبوی کی دیوار کو بھی چومنے سے روکتے ہیں۔ اور تعجب اس بات پر ہوا۔ کہ دیوارِ مسجد کو چومنے سے تو روکتے ہیں۔ مگر نجدی امام مسجد کے ہاتھ لوگ چومتے تھے اس میں انہیں شرک نظر نہیں آتا۔

ایک روز بعد نمازِ عصر میں انبوہِ کثیر میں محرابِ مسجد کے متصل کھڑے ہو کر بارگاہِ رسالت میں سلام عرض کر رہا تھا۔ میرے ایک ساتھی نے دیوارِ مسجد کو چوم لیا۔ نجدی امام مسجد محراب میں بیٹھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک نجدی سپاہی بھی تھا۔ اس سپاہی نے فوراً میرے ساتھی کو ڈانٹا۔ اور کہا

حاجی ھٰذا حرام۔ اے حاجی یہ کام حرام ہے۔

میں نے اسی وقت اس سپاہی سے مخاطب ہو کر کہا

اَلنَّاسُ یُقَبِّلُوْنَ یَدَ الْاِمَامِ لِمَ لَا تَمْنَعُهُمْ۔ لوگ جب امام مسجد کا ہاتھ چومتے ہیں۔ تو اس وقت تم انہیں کیوں نہیں روکتے؟

نجدی سپاہی نے مجھے دیکھا۔ کہ یہ کوئی عربی بول لینے والا پاکستانی ہے۔ تو کہنے لگا

هُوَ یَدُ الْعَالِمِ۔ وہ عالم کا ہاتھ ہے۔

میں نے کہا

وَهٰذَا جِدَارُ مَسْجِدِ النَّبِی اور یہ مسجدِ نبوی کی دیوار ہے۔

وہ بولا

هٰذا حَجَرٌ وَمَدَرٌ ۔ یہ پتھر اور مٹی ہے۔

میں نے جواب دیا

وَهُوَ لَحْمٌ وَعَظْمٌ اور وہ گوشت اور ہڈی ہے۔

اس پر وہ اور تو کچھ نہ کہہ سکا۔ ہاں یہ کہا رُحْ رُحْ یعنی چل چل۔ میں نے بھی کہا اَنْتَ رُحْ ۔ تو بھی چل۔

سبق

محبت اگر ہو تو محبوب کی ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ ایک عربی شاعر نے بزبان مجنوں یوں کہا ہے۔

اَرُوحُ اِلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيلیٰ

وَاُقَبِّلُ ذَا الجِدَارَ وَذَا الجِدَارَ

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِىْ

وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَار

یعنی میں لیلیٰ کے شہر جاتا ہوں۔ تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں۔ کبھی اُس دیوار کو۔ اور مجھے اس بات پر شہر کی محبت آمادہ نہیں کرتی۔ بلکہ جو اس شہر میں رہتا ہے اس کی محبت مجبور کرتی ہے۔ کہ میں اس کے شہر کی دیوار کو چوموں۔"

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے بازار میں چلتے۔ تو بازار کی دیواروں کو چومتے اور فرماتے ممکن ہے کبھی اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لگ گیا ہو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان ہر اُس چیز سے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوتی محبت رکھتے اور اُسے اپناتے حتیٰ کہ حضور کے لعاب دہن شریف کو ہاتھوں پر لے کر اسے اپنے مونہوں اور بدنوں پر مل لیتے۔ (دیکھئے بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وضو فرمایا۔ تو وضو کا پانی حضرت بلال نے لے لیا۔ دوسرے صحابہ نے جب دیکھا کہ حضور کے وضو کا پانی بلال نے لیا ہے۔ تو وہ بلال کی طرف دوڑے۔ تاکہ وہ بھی حضور کے اس غسالہ شریف سے برکت حاصل کر سکیں۔ جس کو اس غسالہ شریف کی تری بھی مل گئی۔ اس نے اپنے منہ پر مل لی۔ اور جسے نہ مل سکی اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۵)

صحابہ کرام خوش نصیب حضرات تھے۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن شریف اور وضو کے پانی کو اپنے موہنوں پر ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پیچھے ہیں۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کوئی بھی چیز مل جائے۔ تو ہم کیوں نہ اُسے اپنے سر آنکھوں پر رکھیں اور چومیں ؎

تیرا آستاں جو مل نہ سکا تری رہگذر پہ جبیں سہی
ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

حکایت نمبر ۸۲
ایک مصری اور نجدی سپاہی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کر رہا تھا۔ کہ ایک مصری نے موقعہ پا کر جالی شریف کو چوم لیا۔ نجدی سپاہی نے دیکھا تو اسے پیچھے ہٹا کر کہا

اَیْش تَبْغِی مِنَ الْحَدِید۔ لوہے سے کیا چاہتے ہو؟

مصری نے آنکھیں پھاڑ کر غصہ میں اسے جواب دیا:

اَیْش تَبْغِی مِنَ الْحَجَرِ فِی الْکَعْبَۃِ۔ تم کعبہ میں پتھر (حجرِ اسود) سے کیا چاہتے ہو۔

نجدی لاجواب ہو گیا۔

سبق

راہ والی کا بنا ہوا گتا جب قرآن پاک کی جلد میں لگ جائے۔ تو قرآن پاک کی معیت کی بدولت اسے بھی یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی اسے بے وضو نہیں چھو سکتا۔ اور مسلمان اسے چومنے لگ جاتے ہیں۔ تو جس جالی مبارک کو صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت و معیت حاصل ہو۔ وہ کیوں نہ قابل صد ادب و تعظیم اور بوسہ گاہِ مومناں ہو گی؟ ؎

تجھ کو خشکی ملی مجھے الفت
نجدیا یہ اپنی اپنی قسمت ہے

حکایت نمبر ۸۳
عورتوں کی بحث

۱۹۶۰ء میں جب میں حج کے لیے گیا تو میرے بچے رشید احمد اور بلال احمد آٹھ اور چھ سال کے اور ان کی والدہ بھی میرے ساتھ تھی۔ جہاز میں ایک صبح میں نماز پڑھ کر سو گیا۔ اور رشید و بلال کی والدہ بچوں کو نہلانے اور کپڑے صاف کرنے اوپر کی منزل پر گئی۔ اور جب واپس آئی تو اس نے یہ واقعہ سنایا۔ کہ میں اوپر گئی تو دو وہابی عورتیں بھی وہاں تھیں۔ انہوں نے میری بالٹی پر آپ کا نام لکھا دیکھ کر آپس میں کہنا شروع کر دیا۔ کہ

یہ بچے اس مولوی کے ہیں۔ جو جہاز میں روز تقریریں کرتا اور کہتا ہے۔ کہ محمدؐ محمدؐ کرو۔ اور اللہ اللہ کہنا چھوڑ دو۔ رشید و بلال کی والدہ نے بتایا۔ کہ میں نے ان سے کہا۔ یہ بات نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر اللہ اللہ کرنا بالکل بے سود اور بے کار ہے۔ اور یہ تو بتاؤ۔ کہ خدا کو کیا کہو گی۔ جبکہ وہ خود بھی کہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ اور کہیں وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل۔ اور کہیں مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ فرما فرما کر محمد محمد ہی کر رہا۔ وہ جھنجھلا کر بولیں۔ تو تم جاؤ مدینے۔ ہم تو اللہ کے پاس جا رہی ہیں۔ میں نے کہا۔ کل قیامت کو بھی سیدھی اللہ ہی کے پاس جانا۔ پھر پتہ چل جائے گا۔ ہم تو یہاں بھی مدینہ شریف کے واسطہ ہی سے مکہ شریف جائیں گے۔ اور وہاں بھی سرکارِ مدینہ ہی کا دامن تھام کر اللہ کے حضور پہنچ ہوں گے۔

پھر بات بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی۔ وہ دو تھیں۔ میری طرف کثرت ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ وہ دونوں غسل خانے سے بھاگ گئیں۔

سبق

وہابیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز کر دینے کی علامت ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز مندی اور حضور کی غلامی ہی ایمان ہے۔ حضور سے الگ ہو کر خدا کو پا لینا ناممکن اور محال ہے۔ شان میں اللہ پہلے ہے اور ایمان میں حضور پہلے ہیں۔ حضور پر ایمان لا کر ہی اللہ پر ایمان لایا جا سکتا ہے۔ دیکھئے اونچائی میں چھت پہلے ہے۔ مگر چھت کے اوپر پہنچانے میں سیڑھی پہلے ہے۔ پہلے سیڑھی کے پاس جاؤ گے۔ پھر چھت پر چڑھ سکو گے۔

چھت پر چڑھ سکتا نہیں کوئی بھی زینہ چھوڑ کر
حق کو پا سکتا نہیں کوئی مدینہ چھوڑ کر

جیسے چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھنا مشکل ایسے ہی خدا تک رسائی بغیر حضور کے ناممکن والدۂ رشید نے ٹھیک کہا۔ کہ کل حضور کے وسیلہ کے بغیر خدا تک پونچکر دکھاؤ۔

ان عورتوں کی باتیں بھی بعض اوقات بڑی معنی خیز ہوتی ہیں۔ تمہاری کوٹلی ہی کا قصہ ہے کہ دو عورتیں آپس میں بحث کرنے لگیں۔ ایک جو وہابیہ تھی کہنے لگی۔ غیر اللہ کے پاس جانا شرک ہے۔ جو مانگو اللہ ہی سے مانگو۔ دوسری جو اہلسنّت تھی۔ بولی۔ تو پھر تمہارا خاوند بھی تو غیر اللہ ہی ہے۔ اس کے پاس بھی نہ جاؤ۔ اور خدا سے بچّہ لے کر دکھاؤ۔

سچ فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

بے ان کے واسطہ کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

حکایت نمبر ۱۸۴

آبِ رحمت

۱۹۶۰ء میں جب حج کے لیے گیا۔ تو جہاز میں حضرت پیر طریقت صاحبزادہ میاں غلام احمد صاحب شرقپوری سے ملاقات ہو گئی۔ جہاز کا سفر ان کی معیت میں گذرا۔ حضرت میاں صاحب اور میں ان خوش نصیب حاجیوں میں سے تھے جن کا ارادہ پہلے مدینہ منورہ کی حاضری کا تھا۔ چنانچہ میں اور میاں صاحب جدہ سے بجائے مکہ معظمہ کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک میں پہنچ گئے۔

خدا کے لطف و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ رحمت سے مجھے مدینہ منورہ

میں چھبیس روز رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضرت میاں صاحب کی معیت کا شرف بھی۔ مدینہ منورہ میں ایک دن کثرت سے بارش ہوئی۔ اور مسجد نبوی کا پرنالہ بہنے لگا۔ اس پرنالے سے جو پانی گرتا تھا۔ وہ گنبد خضراء کا پانی تھا۔ ہم سب اس پرنالے کے نیچے نہائے بھی۔ اور یہ پانی خوب پیا بھی۔ حضرت میاں صاحب بھی نہار ہے تھے۔ اور پانی پی رہے تھے۔ کہ "کسی" نے ان سے کہا۔ کہ اس پانی میں کیا رکھا ہے۔ جو اس سے نہا بھی رہے ہو اور پی بھی رہے ہو۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا۔ کہ پہلے تم بتاؤ۔ کہ زمزم میں کیا رکھا ہے؟ جو تم پیتے بھی ہو۔ اور اس میں کفن بھی بھگوتے ہو۔ اور تبرکاً گھر بھی لے جاتے ہو۔ ہمارا تو ایمان ہے۔ کہ زمزم بھی قابلِ تعظیم اور متبرک پانی ہے۔ مگر وہ پانی وہ پانی ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی طفیل ملا۔ اور ان مقدس ایڑیوں سے لگ جانے کے باعث متبرک ہو گیا۔ اور یہ پانی وہ پانی ہے۔ جو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد عالی سے مس کرتا ہوا گر رہا ہے۔

حضرت میاں صاحب نے پھر ان سے مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

زاہدا اچھی نہیں ہے عاشقوں سے چھیڑ چھاڑ
اپنا مسلک اور ہے تیرا عقیدہ اور ہے۔

سبق

جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو جائے۔ ہمارے لیے وہ تبرک اور سراپا رحمت و برکت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جُبّہ تھا۔ جسے حضور پہنا کرتے تھے۔ یہ جبہ مبارکہ حضرت اسماء کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملا تھا۔ فرماتی ہیں: نَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرضیٰ نَسْتَشْفِي بِهَا

ہم بیماروں کے لیے دھو کر اس کا پانی بیمار کو پلاتے اور اس سے شفا پاتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۳۶۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ تو ان کے مشکیزے سے حضورؐ نے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا۔ تو حضرت کبشہ فرماتے ہیں: فَقُمْتُ اِلٰی فِیْهَا فَقَطَعْتُهُ پس میں نے کھڑے ہو کر برکت کے لیے مشکیزے کا موہنہ کاٹ کر رکھ لیا۔ (مشکوٰۃ شریف صد ۳۶۳)

یہ ہے اہل ایمان کا شیوہ و مسلک جس کے پیش نظر ہم اس پانی کے نیچے نہائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا سے مس کرتا ہوا گر رہا تھا مگر ؎

جو محبت ہے قلب مومن میں
زاہد خشک اس کو کیا جانے

حکایت نمبر ۸۵
مکہ معظمہ میں تبلیغی جماعت

۱۹۵۴ء میں جب میں حج کے لیے گیا۔ تو حج سے فارغ ہو کر ہم سب مکہ معظمہ میں اپنے خیمہ میں بیٹھے تھے۔ کہ تبلیغی جماعت کے چند افراد جو ہندوستانی تھے۔ ہمارے پاس آئے۔ اور میرے پاس آکر مجھ سے کہنے لگے۔ کہ آپ اپنے ساتھیوں میں ہماری تھوڑی سی تقریر کا انتظام کرا دیں۔ ہم کچھ تبلیغ و اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ مگر میں تبلیغی جماعت سے خوب واقف تھا۔ کہ یہ لوگ کلمہ شریف کی تصحیح و تبلیغ کی آڑ میں اپنے مزعومہ عقائد کی نشر و اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو باتوں ہی باتوں میں اپنے ڈھنگ پر لانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ ہمیں کیا سنانا چاہتے ہیں؟ وہ بولے۔ کہ ہم مسلمانوں کی کچھ غلطیوں

کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ جناب! ہم کل ہی فریضہ حج ادا کر کے فارغ ہوئے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم گناہوں اور غلطیوں سے بالکل اس طرح پاک ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت پاک تھے[1]۔ تو فرمایئے۔ آج جب کہ ہم شرعاً بالکل پاک ہیں۔ پھر آپ ہماری کونسی غلطی کی اصلاح کریں گے۔ آپ تشریف لے جائیں۔ خدانخواستہ اگر پھر کوئی غلطی ہم میں پیدا ہوگئی۔ تو آپ کو بلا لیا جائے گا۔ اس وقت تو آپ معاف ہی فرمائیں ؏

میں باز آیا محبت سے اُٹھالو پاندان اپنا

چنانچہ وہ چلے گئے۔

سبق

تبلیغی جماعت کے نام سے ایک نیا فرقہ پیدا ہوگیا ہے۔ جو عیسائیوں۔ آریوں اور دہریوں کے پاس جاکر انہیں تبلیغ اسلام نہیں کرتے۔ بلکہ تبلیغ کے نام سے مسلمانوں ہی کو گھیر لیتے ہیں۔ اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انہیں اپنے ساتھ ملا کر اپنی بدعقیدگی کے جراثیم ان میں پھیلا دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے۔ يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدَعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ۔ یعنی وہ مسلمانوں سے تو لڑیں گے اور مشرکوں کو چھوڑ دیں گے۔ (مشکوٰۃ صہ ۵۲۷)

چنانچہ یہ لوگ کبھی کسی کافر و مشرک کو تبلیغ کرتے ہوئے نظر نہیں آئے ہمیشہ مسلمانوں کو ہی گھیرے میں لیے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

تبلیغ کا لبادہ پہن کر وہ آئے ہیں
گستاخ ہیں حضورؐ کے دامن بچایئے

---

[1] (مشکوٰۃ شریف صہ ۲۱۳)

حکایت نمبر ۸۶
ایران سے زبانِ انگریزی کا اخراج

سنہ ۱۹۵۴ء میں مَیں ٹرانسپورٹ کے ذریعے حج کے لیے گیا تھا۔ ہمارا قافلہ جب تہران پہنچا۔ تو وہاں جا کر معلوم ہُوا۔ کہ شہر بھر کی ہر دکان پر فارسی زبان کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ انگریزی کا کہیں نشان تک نہ پایا۔ دکانوں کے بورڈ اس قسم کے تھے۔ مٹھائی کی دکان کا بورڈ "شیریں سازی"۔ دانت بنانے والی دکان کا بورڈ۔ "دندان سازی"۔ درزی کی دکان کا بورڈ۔ "درزنگی" حجام کا بورڈ "آرائش گاہ" جوتے کی دکان "پاپوش گاہ" ہوٹل کا بورڈ "مہمان خانہ" سائیکل کی مرمت کی دکان کا بورڈ ملاحظہ فرمایئے۔ "دوچرخہ سازی"۔ ہسپتال کو "بیمارستان"۔ اور ورکشاپ کو "ہنرستان" لکھا ہُوا دیکھا۔ تھوک اور پرچون کے بیوپاریوں کے بورڈ دیکھے۔ خرید و فروخت کلی و جزئی" جزئی سے مراد پرچون اور کلی سے مراد تھوک۔ کوٹھیوں اور دفتروں کے دروازوں پر ہمارے یہاں جو انگریزی حرف "اِن" اور "آوٹ" لکھے ہوتے ہیں۔ وہاں ان کی بجائے "ورود" و "خروج" عربی الفاظ مستعمل ہیں۔ لاریوں کے چلنے کا وقت "ساعتِ حرکت" مسافر خانے پر "آرام گاہ" وغیرہ عربی و فارسی الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ گویا ایران سے انگریزی زبان کو کلیۃً ایران سے نکال دیا ہے۔

سبق

ہر قوم و ملت کو اپنی بقا و عزت کے لیے اپنی تہذیب اور اپنی زبان اپنانی چاہیئے اسی سے اپنا قومی تشخص باقی رہتا ہے۔ افسوس کہ ہمارے پاکستان سے انگریز تو چلے گئے مگر تاحال انگریزیت نہیں گئی۔ ہماری دکانوں کے بورڈ زیادہ تر انگلش زبان میں ہوتے

ہیں۔ اگر کسی بورڈ پر اردو لفظ بھی ہیں۔ تو انگریزی حروف کے نیچے۔ اور پھر ہر شخص جو اپنے آپ جنٹلمین سمجھتا ہے۔ خواہ مخواہ انگریزی بولنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ موقعہ بے موقعہ انگریزی۔ گھر میں انگریزی۔ اپنے بچوں سے بھی بات انگریزی میں کرے گا۔ اور اردو میں بات کرنے کو آؤٹ آف فیشن سمجھے گا۔ اکبرالہ آبادی نے خوب لکھا ہے ؎

بتوں نے کہہ دیا چل ہٹ تجھے ہندی نہیں آتی
مسوں نے کہہ دیا جا تجھ کو انگریزی نہیں آتی
مگر اکبر کہ اب تک مر رہا ہے ان حسینوں پر
قیامت ہے کہ بے غیرت کو شرم اب بھی نہیں آتی

☆

صاحبزادہ عطاء المصطفٰے اجمیل ایم اے کے عرصۂ قیام

☆

برطانیہ کی حکایات

☆

عطاء المصطفٰے اجمیل کے قلم سے

حکایت نمبر ۸۷

ناٹنگھم کی عدالت میں نماز باجماعت

ناٹنگھم شہر میں شیرازی صاحب کے مکان پر بارہ بجے کا کھانا تھا۔ کھانے کی میز پر حاجی عبدالرحیم صاحب دلشاد (ڈربی) اور محمد بشیر صاحب (لیسٹر) کے علاوہ محمد اکبر بھٹی صاحب اور حاجی عبدالرشید صاحب بھی موجود تھے۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں باتوں میں بھٹی صاحب نے حاجی عبدالرشید صاحب سے پوچھا:

"آجکل کیا کر رہے ہیں حاجی صاحب؟"

"بے روزگار ہوں"

"ابھی تک کام نہیں مل سکا؟"

"کوشش کے باوجود نہیں"

"تو آپ فیکٹری پر مقدمہ کر دیجئے"

"مقدمہ کا خرچہ کہاں سے آئے گا۔ میں تو پہلے ہی بے روزگار ہوں"

"خرچہ ہم مل جل کر برداشت کرلیں گے"

"لیکن مقدمہ سے حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا"

"نہ سہی تبلیغ تو ہو جائے گی"

لفظ تبلیغ سنتے ہی مجھے تجسس ہوا۔ میں نے پوچھا کہ مقدمہ کیسا اور تبلیغ کیسی؟

اس پر حاجی عبدالرشید صاحب نے اپنی داستان بیان کی:

"آج سے چھ ماہ پہلے میں ایک فیکٹری میں ملازم تھا۔ فیکٹری کا مالک یہودی تھا۔ کام کے دوران ظہر کی نماز فیکٹری ہی میں ادا کیا کرتا تھا۔ ایک دن مالک نے مجھے نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اس نے مجھے نماز پڑھنے سے روکا تو میں نے کہا کہ یہ میری عبادت ہے۔ اس نے مجھے وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ کل تم نے نماز پڑھی تو تمہیں فیکٹری سے نکال دیا جائے گا۔ دوسرے روز میں نماز ظہر سے فارغ ہوا تو مالک نے مجھے فیکٹری سے فارغ کر دیا۔ آج تک بے کار ہوں کوشش تو بہت کی ہے۔ لیکن کام نہیں مل سکا۔"

حاجی عبدالرشید صاحب کی باتیں سن کر میں بہت متاثر ہوا۔ ان کی ثابت قدمی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ حاضرین نے متفقہ فیصلہ کیا کہ فیکٹری کے مالک پر مقدمہ دائر کیا جائے۔ اگر ہم جیت گئے، جس کے امکانات بہت کم ہیں، تو پورے برطانیہ کے مسلمانوں کو فیکٹریوں میں نماز کی سہولت قانوناً مل جائے گی۔ اگر ہار بھی گئے تو اخبارات پڑھ کر دوسرے مسلمانوں کو بھی جرأت ہوگی۔ غیر مسلم بھی تو اخبار پڑھیں گے۔ اور یہ بھی تبلیغ اسلام ہوگی۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم جلسہ گاہ پہنچے۔ جلسہ میں بہت رونق تھی۔ میں نے تقریر کے دوران حاجی عبدالرشید صاحب کا واقعہ سنایا۔ مسلمانوں کو نماز کی اہمیت بتائی اور جلسہ میں مقدمہ کا اعلان بھی کر دیا۔ تمام مسلمانوں نے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ میں جلسہ سے فارغ ہو کر لیسٹر چلا آیا۔

چند روز بعد ناٹنگھم سے بھٹی صاحب کا فون آیا۔ انہوں نے بتایا کہ کل نماز کے مقدمہ کی تاریخ ہے۔ اور یہ کہ ہم نے ایک بہت قابل وکیل کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ وکیل نے کہا ہے کہ آپ کسی عالم دین کو بھی بلائیں۔ جو عدالت

ہے کہ نماز پر کوئی علمی بحث چل نکلے۔ میں نے وعدہ کر لیا اور تمام رات قرآنِ پاک کی آیات اور احادیثِ مبارکہ دربارۂ نماز جمع کرتا رہا۔ دوسرے روز چند ساتھیوں کے ہمراہ ناٹنگھم پہنچ گیا۔ مقدمہ ایک ٹریبونل میں پیش ہوا تھا۔ عدالت میں مسلمان اور عیسائی کثرت سے موجود تھے۔ کارروائی صبح سات بجے سے شام پانچ بجے تک جاری رہی اور ایک ہی دن میں مقدمہ کی سماعت مکمل ہو گئی۔ جج صاحبان نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا۔

سماعت کے دوران مدعا علیہ کے وکیل نے حاجی عبدالرشید پر جرح کرتے ہوئے کہا:

"مالک نے آپ کو نماز سے منع کیا تھا؟"

"جی ہاں"

"تو آپ نے مالک کے حکم پر عمل کیوں نہ کیا؟

"جناب والا! ایک فیکٹری کا مالک ہے اور ایک میری جان کا مالک ہے جو احکم الحاکمین ہے - LORD OF THE LORDS نماز اسی کا حکم ہے۔ میں جب سے بالغ ہوا ہوں، حلفیہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ تقریباً اٹھارہ سال سے آج تک میں نے نماز قضاء نہیں کی ہے۔"

وکیل نے کہا:

"لیکن فیکٹری کا مالک تمہیں کام کا معاوضہ دیتا ہے۔ کام کے دوران ذاتی کام کرنا خیانت ہے"

حاجی صاحب نے جواب دیا:

"میں اپنے مالک کا کام نہایت دیانت داری کے ساتھ کرتا ہوں، فیکٹری کے کسی دوسرے ملازم کم از کم دو دو مرتبہ بیت الخلاء ضرور

جاتے ہیں۔ وہاں لوگ سگریٹ پیتے حتیٰ کہ اخبار پڑھتے ہیں۔ عموماً طور پر وہ پندرہ بیس منٹ بیت الخلاء میں ضائع کرتے ہیں۔ لیکن میں گھر سے وضو کر کے آتا ہوں۔ اور ظہر تک باوضو رہتا ہوں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتا ہوں۔ دوسرے ملازمین بیت الخلاء میں وقت کرتے ہیں جب کہ میں دس بارہ منٹ نماز میں صرف کرتا ہوں۔"

مخالف وکیل حاجی صاحب پر جرح کر رہا تھا کہ کھانے کا وقفہ ہو گیا۔ حاجی صاحب کے بعد میرا بیان تھا اور مجھ پر بھی مخالف وکیل کی جرح ہونا تھی۔ میں نے اپنے وکیل سے کہا کہ عدالت کی کارروائی دوبارہ شروع ہو گی تو نمازِ ظہر کا وقت بھی شروع ہو جائے گا۔ ایک عالم کی حیثیت سے میں پابندیٔ صلوٰۃ کا زیادہ پابند ہوں۔ ابھی میں اپنی بات بھی پوری نہ کر پایا تھا کہ وکیل خوشی سے اچھل پڑا اور بولا کہ یہی "WINNING. POINT" وہ نکتہ ہے جس سے ہم مقدمہ جیت سکتے ہیں۔ وکیل نے مزید کہا کہ جب آپ پر جرح ہو رہی ہو گی تو آپ جج صاحبان سے یہ بات ضرور کہیئے گا اور ان سے نماز پڑھنے کا وقت ضرور مانگیئے گا۔

وقفہ کے بعد عدالت کی کارروائی دوبارہ شروع ہو گئی۔ میرا بیان ختم ہوا تو مخالف وکیل نے مجھ پر جرح کرتے ہوئے کہا:

"کیا ایک مسلمان گھر پر نماز نہیں پڑھ سکتا"

میں نے کہا:

"نماز کا وقت شروع ہو جائے تو مسلمان جہاں بھی ہو، اسے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ مسلمان گھر پہ ہو یا فیکٹری میں، ریل میں ہو یا ہوائی جہاز میں، نماز وقت پر پڑھنے کا پابند ہے"

وکیل نے پھر سوال:

فیکٹری میں حاجی عبدالرشید کے علاوہ بارہ مسلمان اور بھی ملازم ہیں۔ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟"

میں نے کہا:

"قانون کی پیروی کرنے والا اچھا شہری کہلاتا ہے اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم کہلاتا ہے۔ آپ مجرم کا حوالہ دے کر ایک اچھے شہری کو قانون کی خلاف ورزی پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ ہر مذہب میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور غیر مخلص بھی۔ آپ کے ہاں کتنے عیسائی ہیں جو باقاعدگی کے ساتھ ہر اتوار کو گرجا جاتے ہیں؟"

وکیل نے پہلو بدلا۔ ایک کتاب نکالی۔ یہ کتاب انگریزی میں تھی۔ لاہور کے ایک ادارے نے شائع کی تھی۔ اس میں اسلام کے ارکانِ خمسہ پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ وکیل نے اس کتاب کو کھول کر یہ عبارت پڑھی:

"جو شخص ایسا سفر کر رہا ہو جس میں نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو سکے تو وہ سفر ختم ہونے پر نماز قضا کرلے۔"

یہ پڑھ کر وکیل نے مجھ سے پوچھا:

"کیا یہ درست ہے؟"

میں نے جج صاحبان سے مخاطب ہو کر کہا:

"جنابِ والا! یہ نکتہ وضاحت طلب ہے۔ اجازت ہو تو وضاحت کردوں۔"

ایک جج بولا:

"اجازت ہے"

میں نے کہا:

"جنابِ والا! سفر ایک اضطراری حالت ہے۔ جب کہ فیکٹری میں ملازمت

معمول کی زندگی ہے۔ سفر میں بعض اوقات وقت پر کھانا نہیں ملتا۔ بعض اوقات سفر کے دوران قضائے حاجت بھی نہیں ہو پاتی جب کہ فیکٹری کا ملازم وقت پر کھانا کھاتا ہے۔ پیاس لگے تو پانی پیتا ہے۔ حاجت ہو تو بیت الخلاء جاتا ہے۔"

وکیل صاحب نے جو نکتہ اٹھایا ہے اس کا تعلق صرف اور صرف سفر کے ساتھ ہے۔ فیکٹری کے ساتھ نہیں"

اس کے ساتھ ہی میں نے جج صاحبان سے کہا:

"جناب والا! میں مسلمانوں کا مذہبی رہنما ہوں۔ عدالت میں موجود سینکڑوں مسلمان مجھے اپنا رہنما مانتے ہیں۔ ظہر کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ مجھے نماز کے لیے وقت دیا جائے۔"

میں نے دیکھا کہ تینوں ججوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ ایک جج نے قلم پر پیشانی کو جھکایا۔ چند ثانیے سوچ کر بولا:

"ظہر کی نماز پر کتنا وقت صرف ہوتا ہے"

میں نے کہا:

"جناب والا! تقریباً بارہ منٹ"

جج نے پھر پوچھا:

"ظہر کا وقت کب تک رہتا ہے؟"

میں نے کہا:

"جناب والا! برطانیہ کے وقت کے مطابق ایک بجے سے لے کر تقریباً ساڑھے چار بجے تک۔"

جج بولا:

"ٹھیک ہے۔ ہم اس دوران نماز کا وقت دے دیں گے"

مجھ پر جرح ختم ہوئی تو جج نے کہا کہ آپ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ عدالت سے متصل ایک بہت بڑے کمرے میں نماز کی اجازت دے دی گئی۔ عدالت میں موجود تمام مسلمانوں نے وضو کیا۔ اذان ہوئی۔ اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ دوسرے روز ناٹنگھم کے مقامی اخبار نے مقدمہ کی خبر کو سب سے بڑی سرخی کے ساتھ شائع کیا۔ اخبار کی سرخی یہ تھی:

THIS is WHAT IT'S ALL ABOUT

COURT STOPS FOR PRAYER

"یہی تو ہے جس کے گرد مقدمہ گھوم رہا ہے۔ نماز کے لیے عدالت کی کاروائی روک دی گئی"۔

اس مقدمہ نے اتنی شہرت حاصل کی کہ اخبارات کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر بھی خبر دی گئی۔ عدالت نے فیصلہ محفوظ رکھا تھا۔ چند روز کے بعد اخبار میں فیصلہ پڑھا۔ جس کے مطابق حاجی عبدالرشید صاحب کو فیکٹری سے چھ ماہ کی تنخواہ دلوائی گئی تھی اور بس!

سبق

اس دورِ قحط الرجال میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے کردار کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ برطانیہ میں مقیم مسلمان حاجی عبدالرشید صاحب کے کردار کو نمونہ بنائیں تو تبلیغِ اسلام کے لیے کسی مبلغ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن افسوس کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں نے وہاں حصولِ زر کو ہی نصب العین بنا رکھا ہے وہاں ایسے مسلمان بھی موجود ہیں جو عید کے دن بھی فیکٹریوں میں کام پر چلے جاتے ہیں۔ آج یورپ روحانی سکون کی تلاش میں ہے۔ وہ لوگ اسلام کی طرف مائل تو ضرور

ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں کے کردار کو دیکھ کر متنفر ہو جاتے ہیں کاش برطانیہ میں مقیم مسلمان اسلام اور پاکستان کی آبرو کا پاس رکھتے۔

حکایت نمبر ۸۱

جان محمد

اسلامک سینٹر کے کمرۂ مطالعہ میں بیٹھا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی میں نے فون اُٹھایا تو ایک انگریز نے پوچھا:

"یہ اسلامک سینٹر ہے کیا؟

"جی ہاں! فرمایئے"

میں نے کہا تو وہ بولا:

"مجھے اسلامک سینٹر کے Priest خطیب سے ملنا ہے"

"فرمایئے! میں خطیب ہی تو بول رہا ہوں"

"مجھے آپ سے ملنا ہے۔ اگر آپ فارغ ہیں تو میں ابھی آجاتا ہوں"

"اس وقت میں فارغ ہوں۔ آپ تشریف لایئے"

تھوڑی دیر کے بعد ایک انگریز آیا۔ میں نے چائے پیش کی اور آنے کی غرض پوچھی تو اس نے کہا:

"جان تھیفرڈ میرا نام ہے۔ لندن کا رہنے والا ہوں۔ ان دنوں لیسٹر کے ٹیچر ٹریننگ کالج میں زیر تعلیم ہوں۔ میں نے مختلف ادیان کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اسلام سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ تاہم کچھ باتیں وضاحت طلب ہیں"

وہ رُک رُک کر باتیں کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شرافت اور مزاج میں ٹھہراؤ دیکھ کر میری چھٹی حِس نے کہا کہ اسلام اس کا مقدر بن چکا ہے۔ پہلی نشست میں اس نے تعدّدِ ازدواج پر کچھ سوالات کیے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میری وضاحت سے مطمئن ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے اجازت چاہی اور دوبارہ ملاقات کا وقت بھی طے کر گیا۔ وہ دوبارہ آیا۔ اس دفعہ اس نے پردہ اور WOMEN RIGHTS حقوقِ نسواں پر سوالات کیے۔ میں نے اسے "اسلام میں عورت کا مقام" سمجھایا تقریبًا ایک گھنٹہ کی نشست رہی۔ پھر وہ چلا گیا ہفتہ میں ایک بار وہ ضرور آتا اور کئی کئی گھنٹے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات کرتا رہا۔ خدا کا فضل شاملِ حال رہا۔ ایک ایک کر کے اس کے تمام شبہات دور ہوتے چلے گئے اللہ نے اس کے دل کے دریچے کھول دیئے۔ ایک دن اس نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کر دی۔ اور میرے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ جان شیفرڈ نے کہا کہ اب میرا نام بھی بدل دیجئے۔ میں نے کچھ نام بتائے تو وہ بولا:

"مشکل یہ ہے کہ جان میرا SIR NAME ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ لفظ جان میرے نام کا حصّہ رہے؟"

میں نے پوچھا: جان۔ JOHN کا معنیٰ کیا ہے؟"

اس نے کہا: "بہادر، دلیر وغیرہ"

تو میں نے کہا "مبارک ہو۔ آج سے آپ کا نام جان شیفرڈ کی بجائے جان محمد ہو گا۔ اور یہ نام برِّ صغیر کے مسلمانوں میں مروّج ہے۔"

اس نے مسکرا کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ جان شیفرڈ، اب جان محمد ہو چکا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

سبق

یورپ میں روحانی سکون کے متلاشی لائبریریوں میں مختلف ادیان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسلام کے آفاقی نظام سے متاثر ہو کر وہ اسلامی مراکز سے رجوع کرتے ہیں۔

اب خطیب کا فرض ہوتا ہے کہ وہ آنے والے کے سوالات کو اچھی طرح سمجھ کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرے خطیب تعلیم یافتہ اور ذہین ہو تو انگریز کے قبولِ اسلام کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔

برطانیہ میں اسلام کا نور پھیل رہا ہے۔ آج بھی برطانیہ کے مسلمان تقویٰ و طہارت راست گوئی و پاکبازی اور صداقت و دیانت پر عمل پیرا ہو جائیں تو وہاں اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیل سکتا ہے۔

حکایت نمبر ۸۹

جمادات میں روح

اسلامک سینٹر میں عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ وہ اسلام کے بارے میں مختلف سوالات کرتے رہے باتوں ہی باتوں میں ایک عیسائی نے کہا:

"حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں لکھا ہے کہ آپ نے لاعلاج مریض تندرست کر دیئے حتیٰ کہ مردے زندہ کر دیئے۔

کیا آپ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مردے زندہ کئے تھے؟"

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے قرآنی آیات کا من وعن ترجمہ پڑھا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال گذرا تھا کہ یہ شخص یا تو پادری ہے جو کہ عام لباس

میں آیا ہے یا پھر وسیع مطالعہ رکھتا ہے۔ میرے ساتھ ماسٹر احمد خان صاحب تھے۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کا جواب مجھے دینے دیجئے۔ میں نے اجازت دی تو ماسٹر صاحب نے کہا:

"مردے زندہ کرنا بہت بڑا کمال ہے۔ لیکن اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جسم اور روح کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو حضرت عیسٰے نے دوبارہ جوڑ دیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ جسم سے روح کا فیوز اُتر گیا تو حضرت عیلے نے دوبارہ فیوز لگا دیا۔

اس سے بھی بڑا کمال ہمارے پیغمبر نے کر دکھایا کہ جن اشیأ میں رُوح نہیں تھی ان میں بھی روح ڈال دی۔ ان سے جمادات نے کلام کیا، پتھر بولے، درختوں نے حکم مانا اور پہاڑوں نے سلام کہے"

ماسٹر صاحب کا جواب سن کر عیسائی خاموش ہو گیا۔

سبق

ماسٹر احمد خان صاحب کا برجستہ جواب حقیقت پر مبنی تھا۔ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ذوی الارواح کو روح اور نطق و گویائی عطا فرمائی ہے۔ برطانیہ کے مسلمان اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح معلومات رکھیں اور فیکٹریوں میں غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں تو اسلام کی اشاعت میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

حکایت نمبر: ۹۰

اللہ اور بھگوان

آکسفورڈ یونیورسٹی سے طلبہ اور طالبات کا ایک وفد اسلامک سینٹر آیا۔ وفد میں عیسائی بھی تھے ہندو اور سکھ بھی۔ یہ وفد نمازِ مغرب سے تھوڑی دیر پہلے پہنچا تھا۔ اذان کے بعد مغرب کی نماز ہوئی۔ وفد نے مسلمانوں کی عبادت کو بڑے غور سے دیکھا۔ نماز کے بعد محفل آراستہ ہو گئی۔ میری دائیں جانب ماسٹر احمد خاں صاحب اور ان کے بھائی حامد خاں صاحب تھے۔ جب کہ بائیں جانب جماعت اسلامی کے ایک متحرک کارکن ڈاکٹر مناظر صاحب تھے۔ طلبہ نے نماز سے متعلق سوالات کیے۔ سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک سکھ طالب علم نے پوچھا:

"کافر کسے کہتے ہیں؟"

جماعتِ اسلامی کے ڈاکٹر مناظر صاحب بولے:

"جو شخص اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک مانے یا اس کا ساجھی ٹھہرائے، کافر ہوتا ہے۔"

سکھ نے فوراً کہا:

"ہم بھی بھگوان کو ایک مانتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ نے جس ذات کو اللہ کا نام دے رکھا ہے، ہم اسے بھگوان کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر آپ ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں؟"

ڈاکٹر مناظر صاحب لاجواب ہو کر مجھ سے کہنے لگے کہ اس کی وضاحت آپ کیجیے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے کان میں کہا کہ لفظ شرک تو آپ کے اعصاب

پر ایسا سوار ہو چکا ہے کہ آپ کو ہر طرف شرک ہی شرک نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ سن کر مسکرائے اور بولے کہ پہلے سکھ کو جواب دیجئے۔

میں نے سکھ سے کہا:

"معاف کیجئے گا ڈاکٹر صاحب نے آپ کو مشرک کی تعریف بتائی ہے۔ کافر اسے کہتے ہیں جو اسلام کے بنیادی عقائد میں سے کسی عقیدہ کا انکار کر یا حضور کی ختم نبوت کو تسلیم نہ کرے یا ارکانِ اسلام میں سے کسی ایک رکن کی فرضیّت کا منکر ہو جائے"

سکھ بولا:

"آپ کے مذہب میں، معاف رکھنا، شائستگی نہیں ہے۔ جو شخص اسلام کو نہیں مانتا آپ اسے فوراً کافر کا خطاب دے دیتے ہیں۔ حالانکہ کافر ایک ایسی گالی ہے جو مخاطب کا دل دکھانے کے لیے بہت کافی ہے۔"

میں نے کہا:

"سردار جی! آپ چوں کہ عربی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ اس لیے آپ نے لفظ کافر کو گالی سمجھ رکھا ہے۔ عربی میں لفظ کفر کا معنیٰ ہے۔ انکار کرنا۔ اور کافر کے معنیٰ ہیں "انکار کرنے والا" آپ خود اندازہ فرمائیے کہ اسلام کے حقائق کو تسلیم نہ کرنے والے انسان کے لیے، اسلام نے کتنا مہذّب لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظ "کافر" ایک مسلمان کے لیے تو گالی ہو سکتا ہے۔ لیکن غیر مسلم کے لیے گالی ہرگز ہرگز نہیں ہے"

سکھ نے کہا:

"لیکن آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں، یہودیوں اور بت پرستوں کو جہنمی کہا ہے اور جنّت پر صرف مسلمانوں کا حق جتلایا

ہے۔ لیکن ہمارے گورونانک علیہ السلام (سکھ) نے اسی طرح کہا تھا۔ نقل کفر، کفر نباشد) ایک بین الاقوامی نبی تھے۔ آپ نے کسی کا دل نہیں دکھایا۔ باباجی نے فرمایا کہ مسلمان، ہندو عیسائی اور یہودی سب کے سب حق پر ہیں۔ موجودہ دَور میں گورونانک جیسے نبی کی ضرورت ہے جو INTERNATIONAL BROTHERHOOD بین الاقوامی اخوت قائم کر سکے۔"

میں نے کہا:

"سردار جی! پہلے ایک مثال سن لیجئے پھر جواب دیجئے گا۔

جنگل میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک شخص کھڑا ہے۔ جنگل میں مختلف راستے ہیں جو سب کے سب خطرناک اور جان لیوا ہیں۔ سلامتی کا صرف ایک راستہ ہے جسے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا شخص جانتا ہے۔ وہ پہاڑ کے نیچے دیکھ رہا ہے کہ بہت سے لوگ ہلاکت کی راہ اختیار کرنے والے ہیں۔

سردار جی! بتایئے کہ اس شخص کا اخلاقی فرض کیا ہوگا؟

کیا یہ درست ہوگا کہ وہ ہلاکت کی راہ پر گامزن لوگوں سے کہے کہ آپ سب کے سب ٹھیک چلے جا رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ حق تو یہی ہے کہ وہ پکار پکار کر لوگوں کو ہلاکت کی راہ سے بچائے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ یہی وہ فریضہ ہے جو ایک پیغمبر کو تفویض کیا جاتا ہے۔ پیغمبر عظمتوں کی بلند و بالا چوٹیوں سے جب دیکھتا ہے کہ دنیا ہلاکت کی راہ پر گامزن ہے تو وہ انہیں صراطِ مستقیم کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ لیکن بابا گورونانک صاحب نے کہا کہ سب کے سب ٹھیک چلے جا رہے ہیں۔

سردار جی فرمایئے! اگر اسی کا نام پیغمبری ہے تو دنیا میں پیغمبروں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ رہی بات بین الاقوامی اخوت کی تو اس کا نظارا ابھی آپ کو اسلام میں نظر

آئے گا جس نے بندہ و مولیٰ، ادنیٰ و اعلیٰ اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات مٹا کر، مختلف قوموں کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔"

اس پر سکھ خاموش ہو گیا اور دوسرے طلبہ نے سوالات شروع کر دیئے تھے۔

سبق

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ لیکن سکھ نے بابا گورو نانک کو بزعم خویش "علیہ السلام" کہہ ڈالا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کچھ لوگوں نے مرزا قادیانی کو نبی بنا رکھا ہے۔

کافر کو کافر یا برے کو برا کہنا اگر برا ہوتا تو حضور ایسا ہرگز نہ کرتے ہاں اچھے کو برا کہنا یا برے کو اچھا کہنا، برا ہے۔

جماعت اسلامی کے ایک پڑھے لکھے فرد نے "کافر" کی تعریف پوچھنے پر "مشرک" کی تعریف بتا دی۔ لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں پر بھی "مشرک" کا لیبل لگانے سے نہیں چوکتے۔

حکایت نمبر ۱۹

سکھ کا ترانہ نعت

ڈربی میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ تھا۔ عظیم الشان اجتماع تھا۔ سامعین کی پہلی قطار میں ایک سکھ بھی موجود تھا۔ حاجی عبدالرحیم صاحب دلشاد نوشاہی نے مجھ سے کہا کہ یہ سکھ شاعر ہے۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ میں اپنی لکھی ہوئی نعت پڑھنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ اسے ضرور موقع دیا جائے۔ تلاوت قرآن کے بعد سکھ کو نعت کا موقع دیا گیا۔ وہ سٹیج پر آیا۔ نعت سے پہلے اس نے کہا:

"آج آپ اس محسن کی یاد میں جمع ہوئے ہیں جو بنی نوع انسان کے لیے رحمت کا پیامی بن کر آیا تھا۔ حضرت محمد صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ پوری بنی نوع انسان کے لیے ہیں۔ وہ بے سہاروں کے سہارا اور زیر دستوں کے آسرا تھے۔ ہمارے گورو بابا نانک صاحب نے گرنتھ میں حضرت محمد کی بہت تعریف کی ہے۔ اپنے گورو کی تقلید کرتے ہوئے میں نے بھی چند اشعار حضور کی نذر کیے ہیں۔"

اس کے بعد سکھ نے پنجابی زبان میں کہی ہوئی ایک بہت خوبصورت نعت پڑھی نعت بہت طویل تھی چند اشعار مجھے یاد ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے

مرا کملی والا جہاناں دا والی
اوہ سنتے زمیں آسماناں دا والی
اوہ روحاں دا راکھا تے جاناں دا والی

میرا کملی والا جہاناں دا والی

غریباں فقیراں یتیماں دا راکھا
خدا دی نہ موڑے کدی جیسا آکھا
توراتاں زبوراں قراناں دا والی

میرا کملی والا جہاناں دا والی

سکھ کی زبان سے اپنے آقا کی نعت سن کر سامعین بے پناہ داد دے رہے تھے اور میں سر جھکائے بادیدۂ نم سوچ رہا تھا کہ میرے آقا کتنے عظیم ہیں جنہیں ایک سکھ "مرا کملی والا" کہہ کر پکار رہا تھا۔

سبق

ہمارے آقا انفس و آفاق کے رسول ہیں۔ فرشتے درود و سلام کے ترانے الاپتے

ہیں۔ انبیاء ان کی خبریں دیتے ہیں، جانور انہیں سجدہ کرتے ہیں، درخت ان کا حکم بجالاتے ہیں، سنگریزے انہیں سلام کہتے ہیں اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور سکھ بھی ثنائے خواجہ میں رطب اللسان نظر آتے ہیں ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ممدوحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن نعت کی سرمدی لذتوں سے محروم رہ جاتے ہیں ؎

ہمیشہ مدحتِ خیر الانام میں گذرے
دعا ہے عمر درود و سلام میں گذرے

حکایت نمبر ۹۲

ہیلی فیکس میں میلاد النبی کا جلوس

برطانیہ میں لاکھوں پاکستانی آباد ہیں۔ بعض شہروں میں تو کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جن پر پاکستان کا گمان ہونے لگتا ہے۔ جمعہ کے روز نمازیوں سے مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ لیلۃ القدر اور شب برأت میں نوجوان بھی نفل پڑھتے نظر آتے ہیں۔ مسجدوں میں جائیں تو سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان بچے قرآن حکیم، اسلامیات اور اردو کی تعلیم حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں نکلیں تو شلوار قمیص میں ملبوس پاکستانی نظر آتے ہیں۔ میں نے کئی بنگالیوں اور میرپوریوں کو تہہ بند اور قمیص میں دیکھا ہے۔ دکانوں پر اردو کے سائن بورڈ ملتے ہیں۔ بریڈ فورڈ، برمنگھم اور ساؤتھ آل (لندن) میں "سری پائے"، "دہی بھلے"، "کڑاہی گوشت" اور "نان کباب" کے بورڈ بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ بریڈ فورڈ کے ایک علاقہ کو تو انگریزوں نے LITTLE PAKISTAN

چھوٹا پاکستان، کا نام دے رکھا ہے۔ قدرت نے ان مسلمانوں کی روحانی رہنمائی کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔

برطانیہ میں متعدد سُنّی علماء خدمتِ اسلام سر انجام دے رہے ہیں۔ چند قابلِ ذکر نام یہ ہیں:

مولانا عبدالقادر صاحب ایم اے	مولانا عبدالوہاب صاحب صدیقی
مولانا حامد علی شاہ صاحب	مولانا شاہد رضا صاحب ایم اے
پیرزادہ دلشاد حسین صاحب ایم اے	مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی
مولانا محمد سلیم صاحب بی اے	مولانا محمد ابراہیم صاحب خوشتر
مولانا عبدالمصطفےٰ صاحب	مولانا رضاء المصطفےٰ صاحب
مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب	مولانا محمد حنیف صاحب
مولانا پیر معروف حسین صاحب	مولانا بشیر احمد صاحب
مولانا منیر الزمان صاحب	

ظاہر ہے جہاں اتنی تعداد میں سُنّی علماء موجود ہوں وہاں جشن میلاد مصطفےٰ کیوں نہیں ہوگا؟ وہاں ذکرِ معراج یقیناً ہوگا۔ وہاں غوث الثقلین کی گیارہویں بھی ہوگی۔ آج برطانیہ کے در و دیوار ذکرِ مصطفےٰ سے گونج رہے ہیں۔ یہ سُنّی علماء کی شبانہ روز مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ برطانیہ میں ہر ہفتہ اور اتوار کے دن کسی نہ کسی شہر میں ذکرِ رسول کی محفل ضرور آراستہ ہوتی ہے۔ اب تو بعض شہروں میں میلاد النبی کے جلوس بھی نکالے جاتے ہیں۔ یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے۔ میں برطانیہ میں تھا میلاد النبی کا روزِ سعید آیا برمنگھم اور بریڈفورڈ کے علاوہ ہیلی فیکس میں بھی میلاد النبی کا جلوس نکالا گیا۔ میں نے ہیلی فیکس کے جلوس میں شرکت کی تھی۔ شہر کی انتظامیہ کی ہدایت تھی کہ ایک قطار تین آدمیوں پر مشتمل ہونی چاہیئے نیز ہر قطار کے درمیان تین فٹ کا فاصلہ ضروری ہے۔ جلوس سڑک کے

کنارے کنارے گذرے تاکہ ٹریفک نہ رکنے پائے چونکہ فی قطار تین آدمیوں کی شرط تھی اس لیے جلوس کئی میل تک پھیل گیا۔ جلوس کے شرکا پاکستانی لباس میں ملبوس، سروں پر ٹوپیاں پہنے ہاتھوں میں کتبے اٹھائے درود و سلام پڑھتے گذر رہے تھے۔ انگریز اپنے مکانوں کی کھڑکیاں کھول کھول کر میلاد مصطفیٰ کا جلوس دیکھ رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ مسیح مریم کے پیروکاروں کی سرزمین پر آمنہ کے لال کا بول بولا ہو رہا ہے۔ جلوس کے شرکا نے سینکڑوں کی تعداد میں جو کتبے اٹھا رکھے تھے، ان پر لکھی ہوئی چند تحریریں یوں تھیں:

'THE BIRTHDAY OF THE LAST PROPHET'

"آخری رسول کا یوم پیدائش"

'MUHAMMAD — OUR SAVIOUR'

"محمد ہمارے نجات دہندہ"

'A MERCY TO THE MANKIND'

بنی نوع انسان کے لیے رحمت

اس جلوس میں ہیلی فیکس کا ایک حبشی نژاد مسلمان بھی شامل تھا۔ ایک بہت بڑے میدان میں جلوس ختم ہوا۔ یہاں انگریز بھی بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ حبشی نژاد کالے مسلمان نے انگریزی میں ایک نظم پڑھی جس کا مضمون کچھ یوں تھا:

زمین و آسمان کے خالق نے انسان کو پیدا کیا

اس کا مقدر بھی لکھ دیا

دولت مند کو آسودگی ملی

غریب کو فاقہ مستی

ایک میں تھا

کہ خالق نے مجھے سیاہ رنگت دے دی
دنیا کے کسی خطے نے مجھے گوارا نہ کیا
گورے نے مجھے بیڑیاں ڈال دیں
اور نفرت سے کہا:
تم کالے ہو
تم غلام ابن غلام ہو
میرے مویشی چراؤ اور میری زمینوں پر ہل چلاؤ
کہ تم محکوم ہو
میں نسل در نسل پستا رہا
پھر اچانک عرب کے صحرا سے
بے آب و گیاہ میدان سے
ایک پیکرِ رحمت اٹھا
اس نے ہاتھ پھیلا کر مجھے بلایا اور کہا:
میری جانب بڑھو
میں تمہاری زنجیریں توڑنے والا ہوں
تمہیں مبارک ہو
کہ آج کے بعد
کسی گورے کو تم پر فضیلت نہیں ہوگی"
وہ کون تھا؟
جس نے میرے زخم پر مرہم رکھا
وہ کون تھا؟

جس نے مجھے رحمت کی آغوش میں لے لیا

محمد!

بلالِ حبشی کا آقا

صلی اللہ علیہ وسلم

سبق

چشمِ افلاک یہ نظارہ ابد تک دیکھے!

رفعتِ شانِ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے!

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کا وعدہ کرنے والا حضور کی عظمت میں دن بدن اضافہ کر رہا ہے۔ جس کا مظاہرہ یورپ میں بھی ہونے لگا ہے۔ حضور کے ذکر کو مٹانے والے خود صفحہ ہستی سے مٹتے چلے جائیں گے اور ذکرِ محبوب کائنات کے چپہ چپہ میں پھیلتا چلا جائے گا ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

سیاہ فام نومسلم کی نظم اس بات کا اعتراف ہے کہ ؎

نہ جہاں میں مجھ کو اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی

میرے جرم ہائے سیاہ کو تری عفوِ بندہ نواز میں

حکایت نمبر ۹۳

"قائدِ اعظم" کا میلاد

بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا صد سالہ یومِ پیدائش پاکستان کے

طول و عرض میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا تھا۔ میں ان دنوں انگلستان تھا۔ لیسٹر میں مقیم محبِّ وطن پاکستانیوں نے بھی اپنے قائد کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے موٹ بوائز سکول کے ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا۔ جلسہ گاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ ہال پاکستانیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اس وقت میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب میں نے پہلی قطار میں ان مصلحت اندیشوں کو براجمان دیکھا جن کے بڑے قائدِ اعظم کو کافرِ اعظم کہا کرتے تھے۔ اور جو آج بھی قیامِ پاکستان کو انگریز کی سازش سے تعبیر کرتے ہیں۔ پہلی قطار کے سامعین میں بنگلہ دیش کے ڈاکٹر مناظر صاحب اور پاکستان کے ایک سابق مرکزی وزیر ڈاکٹر خورشید احمد صاحب بھی تھے۔ ان لوگوں نے لندن روڈ پر ہزاروں پاؤنڈ کی ایک عمارت میں اسلامک فاؤنڈیشن کے نام پر ایک جماعت خانہ کھول رکھا ہے۔ خود عالیشان بنگلوں میں رہتے اور نئے ماڈل کی کاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ لیسٹر کے عوام جانتے ہیں کہ فیکٹریوں کے معمولی مزدور آج فیکٹریوں کے مالک کیسے بن گئے ہیں؟ اور یہ سرمایہ کہاں سے آتا ہے؟ لیسٹر میں سب سے بڑا اسلامی مرکز تو بفضلہٖ تعالیٰ اسلامک سینٹر ہے۔ یہاں جمعہ کے دن سینکڑوں مسلمان حاضر ہوتے ہیں۔ صد سالہ یومِ پیدائش قائدِ اعظم کے جلسہ میں یہی لوگ تھے۔ جن سے ہال بھرا ہوا تھا۔ اسلامک سینٹر کے چیئرمین جناب حاجی محمد حسین صاحب کی صدارت تھی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض ملک محمد سلیم صاحب سر انجام دے رہے تھے۔ ملک محمد سلیم صاحب کا تعلق شہرِ اقبال سے ہے اور لیسٹر میں وہ ایک عظیم سماجی کارکن کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ میں نے ملک محمد سلیم صاحب سے کہا کہ میری تقریر سب سے آخر رکھیے گا۔ تلاوتِ کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ بعد ازاں ڈاکٹر خورشید احمد صاحب کی تقریر کا اعلان ہوا۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنی تقریر میں قائدِ اعظم کے بارے میں صرف چند کلمات

کیے جن کا لبِّ لباب یہ ہے:

"قائدِ اعظم نے دو محاذوں پر جنگ لڑی۔ ایک محاذ انگریز کے خلاف جنگ اور دوسرا محاذ ہندو کے خلاف جنگ۔

قدرت نے قائدِ اعظم کو دونوں محاذوں پر فتح عطاء فرمائی ــــــ قائدِ اعظم کا مزار آج بھی کراچی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنے مخصوص جماعتی انداز میں پاکستان کا مطلب کیا؟ پر مفصّل وعظ فرمایا۔

آخر میں ملک محمد سلیم صاحب نے میرے نام کا اعلان کیا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد میں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا:

"آج ہم پاکستان کے عظیم قائد کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آج کے جلسہ کا عنوان ہے:

QUAID-E-AZAM'S HUNDRAD YEAR'S BIRTHDAY -

قائدِ اعظم کا صد سالہ یومِ پیدائش۔ عربی زبان میں یومِ پیدائش کو "میلاد" کہتے ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ آج ہم قائدِ اعظم کا صد سالہ میلاد منانے آئے ہیں۔

مجھے انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ محمد علی جناح کے میلاد میں ڈاکٹر خورشید احمد صاحب کے علاوہ جماعت اسلامی کے دوسرے کارکن بھی حاضر ہوئے ہیں۔ آج سے ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد نورِ مجسم، فخرِ آدم و بنی آدم جنابِ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ میلاد آرہا ہے ــــــ میں سامعین سے توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح

آپ نے قائدِ اعظم کے میلاد میں شرکت کی ہے اسی طرح فخرِ آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد میں بھی ضرور حاضر ہوں گے۔"

یہ کہنا تھا کہ پورا ہال نعرہ ہائے تکبیر و رسالت سے گونج اٹھا۔ میں نے دیکھا کہ جماعت اسلامی کے کارکن ہیجان و اضطراب سے پہلو بدل رہے تھے۔ نعروں کی گونج ختم ہوئی تو میں نے پھر کہا:

"مجھ سے پہلے ڈاکٹر خورشید احمد صاحب نے قائدِ اعظم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قائد نے دو محاذوں پر جنگ لڑی تھی۔ ایک محاذ انگریز کے خلاف اور دوسرا ہندو کے خلاف جنگ ——— مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ارادی یا غیر ارادی طور پر تیسرے محاذ کا ذکر نہیں۔ تیسرا محاذ کون سا تھا؟ کانگرس کے آلۂ کار ملّا جنہوں نے قائدِ اعظم کو 'کافرِ اعظم' کا خطاب دیا تھا۔ فی الحقیقت یہ لوگ ہندو اور انگریز سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔"

ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ ہو پایا تھا کہ ہال پھر نعروں سے گونج اٹھا۔ میں نے پھر کہا:

"لیکن قائدِ اعظم کو تیسرے محاذ پر بھی عظیم فتح ہوئی اور پاکستان بن کر رہا اور کیوں نہ بنتا؟ قائدِ اعظم کے ساتھ سنّی علماء و مشائخ کی دعائیں شامل تھیں جو کانگرسی ملّاؤں کے فتووں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ خود قائدِ اعظم بزرگانِ دین کے عقیدت مند تھے۔ چنانچہ وہ علی پور شریف میں امیرِ ملّت حضرت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، پاکستان کے

اہلِ علم لوگ جانتے ہیں کہ حضرت امیرِ ملت نے تحریکِ پاکستان میں سرگرم حصّہ لیا تھا۔"

میرے اس جملہ پر نوجوانوں نے یہ نعرہ بلند کیا

اولیاء کا ہے فیضان۔ پاکستان پاکستان"

میں نے پھر کہا :

"ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ قائدِ اعظم کی قبر کراچی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ڈاکٹر صاحب! چشمِ بصیرت سے دیکھیئے تو برِّ صغیر میں کچھ اور قبریں بھی ہیں جو صدیوں سے زیارت گاہِ خاص و عام ہیں۔ لاہور میں داتا ہجویری، اجمیر میں خواجہ اجمیری اور سلہٹ میں شاہ جلال ——— یہ بزرگ برِّ صغیر میں اسلام کا نور نہ پھیلاتے تو آج نہ اقبال ہوتے اور نہ قائدِ اعظم۔ پاکستان تو اسی دن معرضِ وجود میں آگیا تھا۔ جب اجمیر میں خواجہ نے اور لاہور میں داتا نے قدم رکھے تھے۔ کیوں نہ ان محسنوں کی قبروں کی بھی زیارت کی جائے جن کی بدولت برِّ صغیر میں اسلام کا نور پھیلا تھا۔"

ہال پھر گونج اُٹھا :

"اولیاء کا ہے فیضان پاکستان پاکستان"

میری تقریر ختم ہوئی تو چند احباب نے مجھے گلے لگا کر کہا :

جمیلؔ صاحب! آپ نے حق گوئی کا حق ادا کر دیا ہے"

ڈیڑھ ماہ بعد سیدِ انفس و آفاق صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد اسلامک سینٹر لیسٹر کی مسجد میں منایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ قائدِ اعظم کے میلاد میں آنے والے

توحید کے مسلمان، اپنے آقا و مولیٰ کے میلاد میں نہ آسکے۔

سبق

اپنے سیاسی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے جماعت اسلامی کے ارکان قائداعظم کے میلاد میں آ گئے بادی النظر میں یہ بات عجیب لگتی ہے لیکن دیوبندیوں کا یہی تو کمال ہے کہ جو کام ان کے ہاں شرک ہوتا ہے وہی ضرورت کے وقت عین اسلام ہو جاتا ہے۔ اس کا مظاہرہ وہ پاکستان میں بھی کر چکے ہیں۔ سنیوں کے ووٹوں کی ضرورت پیش آئی تو مفتی محمود صاحب نے لاہور میں میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس کی قیادت بھی سنبھال لی اور داتا حضور کے آستانے پر حاضری بھی دیدی۔

زندہ و بیدار قومیں اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں۔ قائداعظم کی پرخلوص قیادت اور ان تھک جدوجہد کے صلہ میں ہمیں پاکستان نصیب ہوا تھا۔ سچا پاکستانی اپنے محسن کا شکریہ ضرور ادا کرے گا۔ اسی طرح ہم ان جلیل القدر بزرگوں کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ جو اپنے وطن قربان کر کے سرزمین ہند میں تشریف لائے تھے۔ اور کفرستان کے کونہ کونہ میں اسلام پھیلا گئے تھے۔ جسے پاکستان سے محبت ہے وہ قائداعظم کا دن ضرور منائے گا۔ اسی طرح جسے اسلام سے محبت ہے وہ داتا علی ہجویری اور خواجہ اجمیری کے عرس منائے گا کہ ہمارا اسلام انہی بزرگوں کا رہین منت ہے۔

حکایت نمبر ۹۴

اچھا تو ٹھیک ہے

افریقہ کے تبلیغی دورہ کے بعد قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی اور بطل حریت

حضرت علامہ عبدالستار خاں صاحب نیازی برطانیہ تشریف لائے۔ پروگرام کے مطابق علامہ نورانی صاحب نے کونٹری شہر میں اور علامہ نیازی صاحب نے میرے ہاں لیسٹر میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمانا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی جا چکی تھی۔ برطانیہ میں مقیم پاکستانی اتنے مشتعل تھے کہ وہ کسی لیڈر کی تقریر سننا تو درکنار، دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔ انہی دنوں چوہدری ظہور الٰہی مرحوم اور اصغر خاں کو لوگوں نے اتنا ہوٹ کیا تھا کہ اکثر مقامات پر وہ تقریریں نہیں کر پاتے تھے۔ لیسٹر کے حالات بھی کچھ کم نہ تھے۔ اسلامک سینٹر کی انتظامیہ میں بھی اکثریت پیپلز پارٹی کے حامیوں کی تھی۔

علامہ نیازی صاحب سے میں نے تخلیہ میں عرض کیا:

"حضور! لیسٹر میں پیپلز پارٹی کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ملکی حالات پر تبصرہ فرمائیں تو ازرہِ کرم شدّت نہ فرمایئے گا۔"

نیازی صاحب نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا:

"اچھا تو ٹھیک ہے"

جمعہ میں کم و بیش ایک ہزار سامعین تھے۔ آوارہ منش نوجوان بھی تھے اور وہ بھی تھے جنہیں پہلی مرتبہ مسجد میں دیکھ رہا تھا۔ علامہ نیازی نے تقریر کا آغاز ہی اس انداز سے فرمایا کہ میں گھبرا اٹھا۔ آپ نے حالات و واقعات پر اس انداز میں تبصرہ فرمایا کہ کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ وہ سب کچھ کہہ گئے جو کوئی دوسرا لیڈر نہ کہہ سکتا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ "اچھا تو ٹھیک ہے" کا اصل میں مطلب یہ تھا۔

"اچھا تو پھر ان کی خوب مرمّت کروں گا"

جمعہ کے بعد نیازی صاحب میرے کمرہ میں تشریف لائے، مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

"بیٹا! تختۂ دار سے تو لوٹ کر آچکا ہوں ــــ حق گوئی اگر رسول کے منبر پر نہ ہوگی تو اور کہاں ہو سکتی ہے۔"

سبق

۵

ہزار خوف ہوں لیکن زبان ہو دل کی رفیق!
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حکایت نمبر ۹۵

میں تبلیغی جماعت سے کیوں علیحدہ ہوا؟

لندن کے ایک باشعور سنی بھائی ملک محمد اشرف صاحب سے پارکنگ کے جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملاقات ہوئی۔ وہ تین سال تک تبلیغی جماعت میں رہے تبلیغی جماعت میں رہے۔ تبلیغی جماعت کا ذکر چل نکلا تو انہوں نے جو کچھ بتایا، انہی کی زبانی سنیئے:

"میں پوٹھوار کے علاقہ کا رہنے والا ہوں میرے والد صاحب گولڑہ شریف سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور وہیں سے بیعت ہیں۔ میں والد صاحب کے ساتھ گولڑہ شریف کے عرس میں شرکت کیا کرتا تھا۔ لندن آیا تو یہاں کے بیہودہ ماحول سے بہت گھبرایا۔ مجھے ہر وقت روحانی تشنگی کا احساس ستانے لگا۔ کہاں پاکستان کی رونقیں اور کہاں یورپ کا غلیظ ماحول۔ پاکستان میں کبھی میلاد النبی کا

جشن ہے تو کبھی معراج النبی کی رونقیں، کہیں داتا صاحب کا عرس ہے تو کہیں گولڑہ شریف کی بہاریں۔ لیکن یہاں لندن میں تو عید کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ کب آئی اور گذر گئی۔

ایک دن مسجد میں بیٹھا تھا کہ چند باریش بزرگ آئے۔ ہاتھوں میں لوٹے اور کندھوں پر بستر۔ وہ لوگ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے پاس جا بیٹھا۔ انہوں نے مجھ سے اتنی میٹھی باتیں کیں کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ دین کی خاطر گھروں سے نکلے ہیں میں تو پہلے ہی روحانیت کی تشنگی محسوس کر رہا تھا، سو ان لوگوں میں شامل ہو گیا۔ میرے چند دوستوں نے کہا اشرف! تم کہاں پھنس گئے ہو؟ یہ لوگ تو وہابی ہوتے ہیں۔ میں نے کسی کی بات نہ سنی اور ان لوگوں کے ساتھ گھومتا رہا۔

چوتھے سال تبلیغی جماعت کے ساتھ بائی روڈ حج پر گیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منوّرہ جانے لگے تو چار تبلیغی مکّہ معظّمہ میں رہ گئے انہوں نے کہا کہ حرم کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے جب کہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ لہٰذا ہم تو مدینہ نہیں جائیں گے۔ ہم زیادہ ثواب کیوں نہ حاصل کریں؟ آخر وہ ہمارے ساتھ آئے تھے۔ انہیں چاہیئے تھا کہ ہمارے ساتھ رہتے۔ جماعت کے امیر نے بھی ان کو مجبور نہ کیا۔ میرا سنّی ضمیر جاگ اُٹھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ واقعی یہ لوگ وہابی ہیں اور مدینہ منوّرہ کی حاضری سے گریزاں ہیں۔ تاہم میں خاموش رہا۔ انہیں مزید پرکھنے کے لیے میں نے ایک طریقہ سوچ لیا ہماری ویگن جب

مدینہ روڈ پر پہنچی تو میں نے بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا:

الصلوٰۃ والسلام علیک یاسیدی یارسول اللہ

درود شریف کی آواز سنتے ہی تبلیغی جماعت کے امیر نے پیچھے مڑ کر مجھ سے کہا ملک صاحب! دور سے پڑھنے کا کیا فائدہ؟ مدینہ پہنچ کر پڑھ لینا۔ امیر کی بات سنتے ہی میں نے ویگن رکوائی، اپنا سامان اتارا اور کہا آج ثابت ہو گیا ہے کہ آپ لوگ وہابی ہیں۔ جایئے! آج سے میرا اور آپ کا راستہ مختلف ہے"۔

سبق

نماز کا جھانسہ دے کر سیدھے سادھے سنی عوام کو دام وہابیت میں گرفتار کرنا تبلیغی جماعت کا مشن ہے۔ وہ بڑی عیاری کے ساتھ سنیوں سے اپنا اصلی روپ چھپائے رکھتے ہیں اور بڑی سست روی کے ساتھ اپنے عقائد سنیوں کے دل و دماغ میں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام کی پوری تاریخ میں دجل و فریب کی مثال نہیں ملتی۔

مدینہ منورہ کی حاضری سے گریز دراصل اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے سرکار کا ارشاد ہے مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ ایسی کسوٹی ہے جس پر وہابی کو پرکھا جا سکتا ہے کہ یہ درود اس پر برق بن کر گرتا ہے۔

حکایت نمبر ۹۶

----- اور تبلیغی چلے گئے

بارکنگ لندن میں جلسۂ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ پہلوان جی کی کار میں ہم لیسٹر سے لندن پہنچے۔ مغرب کا وقت تھا۔ نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تو دروازہ کے ساتھ بستر اور چولھے وغیرہ دیکھتے ہی پہلوان جی نے مسکرا کر کہا:

"جمیل صاحب! یہاں تبلیغی جماعت کا نزول ہو چکا ہے"

مغرب کی جماعت ہو چکی تھی۔ ہم نے نماز ادا کی۔ مسجد کے خطیب علامہ زاہد حسین صاحب سابق خطیب ڈڈیال (آزاد کشمیر) تبلیغی جماعت کے امیر سے کہہ رہے تھے۔

"آپ دور دراز سے تبلیغ دین کے لیے تشریف لائے ہیں۔ یہاں سے چند قدموں کے فاصلہ پر ایک ہال میں جلسۂ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو رہا ہے۔ جس میں مولانا عطاء المصطفےٰ جمیل صاحب فرمانے والے ہیں۔ آئیے! اور جلسہ میں شرکت فرمائیے"

امیر جماعت نے جواب دیا:

"ہم سنتے نہیں، سناتے ہیں۔ ہم تو تبلیغ کے لیے گھروں سے نکلے ہیں، سننے کے لیے نہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس جلسہ میں نہیں جائیں گے"

مولانا نے مسکرا کر فرمایا:

"آپ وہاں کیسے جا سکتے ہیں؟ وہاں تو حضور کی نعتیں ہوں

گی، درود وسلام ہو گا۔ یہی باتیں آپ کے مزاج کے خلاف ہیں۔"
مسجد کے نمازی دونوں کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے۔ میں نے نمازیوں کے چہروں سے اندازہ لگایا کہ وہ بڑی حد تک غیر جانبدار دکھائی دے رہے تھے ہم وہاں سے اُٹھے اور جلسہ گاہ میں چلے گئے۔ ہمارے ساتھ ہی مسجد کے تمام نمازی بھی جلسہ میں آ گئے۔ تبلیغی جماعت والے مسجد میں ہی بیٹھے رہے۔ ہال سامعین سے بھر چکا تھا میری تقریر ہوئی۔ تقریر میں حضور کے فضائل و محامد کے ساتھ ساتھ اصلاحِ معاشرہ کی باتیں بھی ہوئیں۔ درود وسلام اور دعائے خیر پر جلسہ ختم ہو گیا۔ ہم ہال کے صدر دروازہ پر پہنچے تو وہاں چند نوجوان بہت غصّے کی حالت میں کھڑے تھے۔ یہ نوجوان وہی تھے جو مسجد میں مولانا زاہد صاحب اور تبلیغی جماعت کی گفتگو سن چکے تھے۔ ایک نوجوان نے مجھ سے کہا:

"مولانا آپ کی تقریر سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے ہیں۔ آپ نے حضور کی محبّت کا درس بھی دیا ہے اور اعمال صالحہ کی ترغیب بھی دلائی ہے۔ لیکن وہ لوگ کون ہیں جو مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے جلسہ میں آنے سے انکار کیوں کیا تھا؟"

میں نے کہا:

"برادرم وہ لوگ وہابی ہیں۔ ان کے نزدیک حضور پر درود و سلام پڑھنا اور حضور کی نعتیں پڑھنا، بدعت ہے، ناجائز ہے، ان لوگوں کا صرف ایک مشن ہے کہ سیدھے سادے مسلمانوں کو نماز روزہ کا جھانسہ دے کر، وہابی بنایا جائے۔

برادرم! آپ نے ہمارا پروگرام دیکھا بھی ہے اور سنا بھی۔ آپ خود اندازہ فرمایئے کہ ہمارے جلسہ میں کون سی بُری بات تھی؟"

میری باتیں سنتے ہی وہ نوجوان وہاں سے بھاگ گئے۔ نمازِ عشاء کے لیے جب ہم مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ نوجوانوں نے تبلیغیوں کے بستر اُٹھا کر گلی میں پھینک رکھے تھے۔ وہ تبلیغی جماعت کے امیر سے کہہ رہے تھے:

"اگر آپ کو دین سے واقعی محبت ہے تو آپ ہمارے جلسہ میں کیوں نہ شامل ہوئے؟ آپ سینکڑوں میل سفر کرکے ایک اجنبی مسجد میں تو آگئے لیکن چند قدم چل کر جلسۂ میلاد میں حاضر نہ ہو سکے۔ آخر اس جلسہ میں کون سی ایسی بات تھی جو آپ کو ناپسند تھی؟"

امیر نے کچھ بولنا چاہا تو نوجوان نے کہا:

"بس بس! ہم آپ کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ آپ لوگ توحید کی آڑ میں مسلمانوں کو رسول کی محبت اور غلامی سے دور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ لوگ عشاء کی نماز پڑھیں اور تشریف لے جائیں۔ مسجد میں کھانا پکانے، بستر جمانے اور سونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

میں نے دیکھا کہ تبلیغی آہیں بھرتے اور بددعائیں دیتے ہوئے کندھوں پر بستر اٹھائے جا رہے تھے۔ کسی اور مسجد کی تلاش میں۔

سبق

دین کی خاطر گھروں سے نکلنے والے میلاد کی محفل میں شامل نہ ہوئے۔ اور وہابی میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں شامل بھی کیوں ہوں جب کہ ؎

محفلِ سیدِ ذی شان کے نقاشے ہیں لطیف — بے ادب حاضرِ دربار نہ ہونے پائے

ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے — دیکھ سرکار کا انکار نہ ہونے پائے

حکایت نمبر ۹۷

تبلیغی جماعت کا دائرہ تبلیغ

لیسٹر میں مقیم وزیر آباد کے ایک باشعور سنی محمد بشیر صاحب المعروف "پہلوان جی" میرے ساتھ انگلینڈ کے مختلف مقامات پر جایا کرتے تھے۔ ایک دن ان کی کار پر جلسہ میلاد میں شرکت کے لیے نیلسن جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ محترم عنایت اللہ صاحب سالار وزیر آبادی بھی تھے۔ بات تبلیغی جماعت کی چل نکلی تو پہلوان جی نے کہا:

"مدت ہوئی ہے کہ تبلیغی جماعت نے میرے گھر آنا چھوڑ دیا ہے"

میں نے وجہ پوچھی تو پہلوان جی نے کہا کہ میرے مکان پر ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے چلہ کش ضرور آیا تھا کہ عیال دار ہوں۔ بیوی بچوں کے علاوہ پاکستان میں مقیم چند عزیزوں کا بوجھ بھی میرے کندھوں پر ہے۔ ان حالات میں کام کاج چھوڑ کر آپ کے ساتھ گھومتے رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ میری بچی روزہ رکھ کر سکول چلی گئی۔ سکول میں بریک ٹائم ہوا بچی کی ٹیچر نے اسے دودھ پیش کیا تو اس نے کہا کہ میرا روزہ ہے۔ ٹیچر نے پوچھا کہ روزہ کیا ہے؟ میری بچی نے صرف اتنا جواب دیا کہ روزہ عبادت ہے دوسرے ہی روز بچی کی ٹیچر میرے گھر آگئی۔ میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تو ٹیچر نے کہا:

"معاف کیجئے گا آپ کو زحمت دے رہی ہوں۔ کل آپ کی بیٹی نے سکول میں نہ تو دودھ پیا اور نہ ہی ٹافیاں کھائیں۔ حد تو یہ

ہے کہ اس نے پانی تک نہیں پیا۔ میں نے فکرمند ہو کر پوچھا کہ کیا بات ہے تم نے کھایا پیا کچھ بھی نہیں تو اس نے کہا کہ میرا روزہ ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ روزہ کیا ہے؟"

میں ٹیچر سے بات کرنے ہی والا تھا کہ مکان کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازہ کھولا تو پھر وہی پرانا منظر دیکھا۔ تبلیغیوں کی ایک جماعت دست بستہ کھڑی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی میں نے کہا:

"آج کے دن آپ کو دیکھ کر بہت مسرت ہوئی ہے۔ میرے ڈرائنگ روم میں ایک عیسائی ٹیچر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ روزہ کے بارے میں معلومات چاہتی ہے۔ آپ دیندار لوگ ہیں۔ دین کے بارے میں مجھ سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ اندر تشریف لائیے اور عیسائی ٹیچر کو روزہ کا فلسفہ سمجھائیے۔"

میری بات سن کر ان کے امیر نے کہا:

"معاف کیجئے گا یہ کام تو مولویوں کا ہے۔ ہم تو صرف اللہ اللہ کرتے ہیں۔"

یہ سن کر میں نے کہا:

"بہت افسوس ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کا نام رکھا ہے تبلیغی جماعت لیکن آپ کی تبلیغ صرف مسلمانوں تک محدود ہے اور وہ بھی سیدھے سادے مسلمانوں کو نماز کا جھانسہ دے کر وہابی بنانے کے لیے۔ آپ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو غیر مسلم کو تبلیغ کر سکے۔ آئندہ میرے گھر آنے کی زحمت گوارا نہ کیجئے گا۔"

یہ سنتے ہی تبلیغی چلے گئے اور میں نے اپنی بساط کے مطابق عیسائی ٹیچر کو

روزہ سے متعلق چند باتیں بتائیں جو میں نے وعظوں میں سن رکھی تھی۔

سبق

تبلیغی ایک عیسائی معلّمہ کو روزہ کی فلاسفی نہ سمجھا سکے کیوں کہ ان کا مبلغ علم تو صرف تبلیغی نصاب ہے جس میں صرف فضائل ہی درج ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ "جماعت" تو ہو گی لیکن "تبلیغی" ہرگز نہیں۔

حکایت نمبر ۹۸

عورتوں کی تبلیغی جماعت

لیسٹر میں پاکستان سے ایک جماعت آئی جس میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ یہ لوگ اسلامک سینٹر میں آئے تو محترم عنایت اللہ سالار وزیر آبادی نے کہا:

"کیا پاکستان میں سب لوگ نمازی بن گئے ہیں کہ آپ انگلینڈ میں نماز کی تبلیغ کے لیے تشریف لائے ہیں؟
اور کیا انگلینڈ میں کوئی مبلغ نہیں ہے جو آپ نے اتنی زحمت گوارا کی ہے؟ آپ نے لاکھوں روپے آمد و رفت پر صرف کر دیئے ہیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ پاکستان میں رہ کر یہ رقم یتیموں، بیواؤں اور غریبوں پر صرف کرتے۔
تبلیغ کے بہانے آپ لوگ سیر و سیاحت کے لیے نکلے ہیں اور اس تبلیغی ہنی مون میں اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہیں۔"
تبلیغیوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

سبق

حضور کے زمانہ میں نہ تو اس طرح تبلیغ کی گئی اور نہ عورتوں پر مشتمل تبلیغی گروہ ترتیب دیئے گئے۔ سنیوں پر بدعت کے فتوے صادر کرنے والے اپنی بدعات سے کیوں صرفِ نظر کرتے ہیں۔

حکایت نمبر ۹۹

تجارت میں دیانت

برطانیہ سے واپسی پر تحائف خریدنے کی غرض سے میں مارک سپنسر کی دکان پر گیا۔ ایک سویٹر مجھے بہت پسند آیا جس کی قیمت سات پاؤنڈ تھی۔ سویٹر لے کر میں کاؤنٹر پر پہنچا تو سیلز مین نے مجھ سے ساڑھے تین پاؤنڈ لیے۔ میں نے کہا کہ اس کی قیمت تو سات پاؤنڈ ہے۔ آپ مجھ سے نصف قیمت کیوں لے رہے ہیں؟ سیلز مین نے کہا کہ اس کی سلائی میں نقص ہے جس کی وجہ سے یہ کٹ پرائس میں فروخت کیا جا رہا ہے۔ میں نے سویٹر کو بہت غور سے دیکھا تو مجھے کوئی نقص نظر نہ آیا۔ سیلز مین نے میرے تعجب کو بھانپ لیا اور سویٹر کا بازو اٹھا کر دکھایا۔ بغل کی سلائی میں معمولی سا نقص تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ سویٹر پاکستان میں فروخت ہوتا تو دکاندار اسے پوری قیمت میں فروخت کر دیتا۔

سبق

تجارت میں دیانت مسلمانوں کا طرّۂ امتیاز تھا۔ انڈونیشیا اور جاوا سماٹرا میں مسلمان تاجروں کی دیانت سے اسلام پھیلا تھا۔ سندھ کے ہندو مسلمانوں کی صداقت

سے متاثر ہو کر فوج در فوج مسلمان ہوتے چلے گئے تھے۔ آج ہماری خوبیوں کو یورپ نے اپنا لیا ہے۔ اور ہم یورپ خامیوں کو اپنا رہے ہیں۔ آج پاکستانی برآمدات کو دنیا بھر میں اس لیے پسند نہیں کیا جاتا کہ وہ نمونہ اچھا دکھا کر مال ناقص بھیجتے ہیں لیسٹر میں مقیم میرے ایک دوست خوشنود احمد نے بتایا کہ ان کی فیکٹری نے پاکستان سے روئی درآمد کی۔ روئی کی گٹھوں کو جب کھولا گیا تو ان میں وزنی پتھر ڈال دیئے گئے تھے تو خوشنود صاحب نے بتایا کہ انگریز گٹھوں سے پتھر نکالتے تھے اور کہتے تھے اور کہتے تھے "پاکستان، پاکستان"۔ ہماری روزمرہ زندگی میں جعل سازی، ہیرا پھیری ناپ تول میں کمی اور اشیائے خوردونوش میں ملاوٹ اس قدر عام ہو چکی ہے کہ یہ جرائم ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ برطانیہ سے ہو کر آنے والے مسلمان برطانیہ کی ان خوبیوں کو ہی اپنا لیں تو تبلیغ اسلام کے نتائج کئی گنا بڑھ سکتے ہیں لیکن افسوس کہ برطانیہ پلٹ، فیشن کو تو اپنا لیتے ہیں، اعلیٰ اصولوں کو نہیں۔

حکایت نمبر ۱۰۰

ایک بوڑھے انگریز کی وصیت

ڈربی شہر کے مقامی اخبار میں ایک عجیب خبر دیکھنے میں آئی۔ ہوا یوں کہ ڈربی کے مضافات میں ایک بوڑھا کروڑ پتی مر گیا۔ موت سے پہلے اس نے وصیت نامہ لکھا اور تکیئے کے نیچے رکھ دیا۔ وصیت نامہ کے الفاظ کچھ یوں تھے؛

"اس وقت میں موت و حیات کی کشمکش میں ہوں۔ کئی دنوں سے اپنے کمرے میں اکیلا ہوں۔ میرے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ میں موت کا کڑوا گھونٹ پینے والا ہوں۔

ان تلخ لمحات میں نہ تو میرا کوئی بیٹا موجود ہے اور نہ ہی بیٹی۔ صرف میرا وفادار کتّا کئی روز سے میرے سرہانے بیٹھا ہوا ہے۔

میں بقائمی ہوش و حواس وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد میں سے میری نالائق اولاد کو ایک پائی تک نہ دی جائے۔ آدھی جائیداد وفادار کتّے کے نام کرتا ہوں اور آدھی گرجے کے نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

سبق

یورپ میں بوڑھوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ آپ اس حکایت میں پڑھ چکے ہیں۔ انگلینڈ میں بوڑھے تنہائی میں کسمپرسی کی زندگی گذارتے ہیں۔ ان کے بیٹے شادی کے بعد اپنے ماں باپ کے گھر میں ایک دن کے لیے بھی رہنا پسند نہیں کرتے صرف کرسمس کے دن وہ ماں باپ کے پاس آتے ہیں اور چائے کی پیالی پی کر بائی بائی کر جاتے ہیں۔ یورپ میں کئی بوڑھے اپنے کمروں میں مر جاتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی نہیں ہوتا جو منہ میں پانی ہی ڈال دے۔ کمرے میں بدبو پھیلتی ہے تو پڑوسی کارپوریشن کو فون کرتے ہیں کہ بوڑھا آنجہانی ہو گیا ہے۔

یورپ والوں نے OLD PEOPLES' HOME بنا رکھے ہیں۔ جہاں لاوارث بوڑھے رہتے ہیں۔ انہیں وہاں دو وقت کا کھانا ضرور مل جاتا ہے لیکن دکھ درد بانٹنے والا کوئی نہیں ملتا۔ میں نے کئی بوڑھوں کو دیکھا ہے جو پارک میں بیٹھے کئی کئی گھنٹے درختوں پھولوں یا پرندوں کو گھورتے رہتے ہیں۔ جب کہ ان کی جوان اولاد قحبہ خانوں اور رقص گاہوں میں دادِ عیش دے رہی ہوتی ہے۔

یورپ کے برعکس اپنے معاشرہ میں دیکھئے کہ بزرگوں کی زندگی کتنی باوقار ہوتی ہے۔ وہ اولاد پر حکم چلاتے ہیں، پوتے پوتیوں سے دل بہلاتے ہیں۔ برادری میں کوئی کام بزرگوں کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ رشتے ناطے ان کی مرضی سے ہوتے

ہیں۔ ہمارے چھوٹے اپنے بڑوں کے حق میں یہی دعا کرتے چلے آئے ہیں۔ اللہ ہمارے سروں پر بزرگوں کا سایہ دراز فرمائے۔

اور یہ سب فیض ہے معلّم آداب صلی اللہ علیہ وسلم کا جنہوں نے باپ کو اس کا وقار دیا اور ماں کے قدموں میں جنّت لا کر ڈال دی ہے۔

فَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

فقیہِ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے تحقیقی رسائل کا حسین و جمیل مجموعہ

دلائل المسائل

شیعہ مذہب کی ابتداء ۔ مسائل شیعہ ۔ ماتم کا شرعی حکم

کتاب التراویح ۔ کتاب التراویح پر اعتراضات کے جوابات

کتاب الجنائز ۔ ختم یا فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلائل

ندائے یا رسول اللہ کے جواز میں دلائل ۔ اربعین نبویہ

آنحضرت کی نجدیوں سے نفرت ۔ قبورِ مشائخ پر قبوں کا جواز

وہابیہ سے مناکحت ۔ حضرت غوثِ اعظم کے ارشادات

وحید الزماں کے اقوال ۔ ابنِ قیم کے اقوال

ناشر: فرید بک سٹال: ۳۸ اُردو بازار، لاہور

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی کی تصنیف لطیف جس میں فقہ، ضرورت فقہ اور مسئلہ تقلید پر بصیرت افروز مقالات ہیں۔ امام المسلمین حضرت امام ابو حنیفہ پر حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

ھدایہ اور دُرِمختار پر غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات اور آخر میں غیر مقلدین کی فقہ کے عجیب و غریب مسائل درج ہیں۔

فقہ کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے ایک عظیم دستاویز عامۃ الاحناف کے لیے ایک حسین تحفہ

ناشر: فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور